آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۸ ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء نمبر ۹

مطابق ذی الحجہ ۱۳۳۷ سنہ ھ

چندہ سالانہ

قیمت فی پرچہ

فہرست مضامین

دنیا میں مذہب کے بغیر چارہ نہیں ۲۸۶-۲۸۹

کیا شریعت ایک لعنت ہے ۲۸۹-۲۹۱

آزادی کا غلط مفہوم ۲۹۱-۲۹۲

اسلام اور تعلقات بین الاقوام ۳۰۰

ترکی کا مستقبل اور حضرت خلیفۃ المسیح کا مشورہ ۳۰۱-۳۲۵

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل شاہی حکیم مولٰنا مولوی نورالدین صاحبؓ کی مجرّب ادویات

سرمہ لاثانی۔ کمزوری آنکھ۔ دھند۔ جالا۔ سرخی چشم۔ ضعف بصارت۔ آنسوؤں کا جاری رہنا
ان امراض کا لاثانی سرمہ۔ قیمت ۶ ماشہ عہ

سرمہ برقی۔ کمزوری آنکھ۔ خارش۔ آنکھوں سے پانی کا آنا۔ دھند۔ قیمت ۶ ماشہ عہ

حبّ اکسیر جنین۔ اٹھرا کی بیماری کا مجرّب المجرّب علاج۔ اٹھرا یعنی حمل کا گر جانا۔ بچّہ کا مردہ پیدا ہونا قیمت فی تولہ عہ

مومیائی۔ بدن کی طاقت کیلئے اکسیر۔ تمام قوتوں کا مجموعہ۔ کیسی ہی کمزوری ہو۔ اس کے استعمال سے
رفع ہو جاتی ہے۔ قیمت فی تولہ عہ

معجون مسکی۔ بدن کی زردی۔ کمی خون۔ دل کا دھڑکنا۔ معدہ کی کمزوری۔ سانس کا پھولنا۔ ان
بیماریوں کیلئے اکسیر ہے۔ قیمت ۴ تولہ صہ

حبّ سعال۔ وہ خشک کھانسی جو آرام لینا کالعدم کر دے اور کھانستے کھانستے سینہ درد کرے
چند گولیوں کے کھانے سے آرام ہو جاتا ہے۔ ۴ درجن عہ

حبّ اصفر۔ مرطوب کھانسی کی ضامن۔ نزلہ۔ زکام۔ بلغمی تپ۔ اسکے استعمال سے کافور ہو جاتا ہے فی درجن ۶

حبّ جانا۔ تمام بدن کی کھوئی طاقت کا واپس لانا ان کا فرض عین ہے کمی خون کو چند یوم
میں پورا کر دینا ان کا منصب ہے تمام پٹھوں کی کمزوری کے لئے ان کے اندر
برقی تماشا ہے۔ دماغ کی قوت میں بے مثل ہیں۔ نسیان کو دور کرنا ان کے ہاتھ
کا کھیل ہے۔ منگواؤ اور فائدہ اٹھاؤ۔ ۲۰ گولیاں عہ

تریاق معدی۔ دردِ شکم۔ قراقر۔ بدہضمی۔ متلی۔ قے۔ نفخ۔ کمزوری معدہ۔
غذا کا ہضم نہ ہونا۔ ترش ڈکاروں کا آنا۔ ان امراض کے لئے
تحفہ کا غانی ہے فی شیشی ۱۲

مرہم۔ پرانے اور نئے اور گندے سے گندے زخم چند یوم کے استعمال سے اچھے ہو جاتے ہیں ڈبیہ ۱۲

ملنے کا پتہ:۔ نظام جان عبدالرحمٰن کاغانی۔ قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دنیا میں مذہب کے بغیر چارہ نہیں

آج کل نئی روشنی کے تعلیم یافتہ لوگ مذہب اور شریعت کو ایک ایسی قید اور پابندی خیال کرتے ہیں کہ جس کا کوئی بھی فائدہ نہیں اور یہ خیال ایسا عام پھیلا ہوا ہے کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس طبقہ میں سے کم از کم پچانوے فی صدی اس خیال میں مبتلا ہیں بلکہ اگر غور کیا جاوے تو دنیا کا ایک کثیر حصہ اسی خیال کا دلدادہ ہے۔ عیسائی مذہب کے پیروان نے تو مذھباً شریعت کو ایک قید اور لعنت مانا اور باقیوں نے مذہباً تو نہیں مگر عملاً ضرور عیسائی مذہب کی تائید کی اور مذہب اور شریعت کو ایک خواہ مخواہ کا بوجھ اور قید سمجھا۔ لیکن اگر معقول طور پر اس مسئلہ کے اوپر نظر ڈالی جاوے تو اس خیال کا بودہ پن صاف نظر آنے لگتا ہے اور یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے بغیر رہنا عقلاً ناممکنات میں سے ہے مگر اس کے سمجھنے کے لئے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ مذہب کسے کہتے ہیں :

سو جاننا چاہیئے کہ مذہب عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک بطور اسم ظرف کے جس صورت میں اس کے معنی اس راستہ اور طریق کے ہوتے ہیں جس پر انسان چلے اور دوسرے بطور مصدر میمی کے اس صورت

میں اس کے معنی مطلق چلنے یعنی چال اور رفتار کے ہوتے ہیں یعنی صورت اوّل
میں تو مذہب اس رستہ کے نام ہوگا جس پر ہم چلیں اور صورت ثانی میں مذہب
اس طرز کا نام ہے جس میں ہم چلیں گویا مذہب سے مراد وہ طرز اور طریق ہے
جس میں انسان اپنی زندگی گذارتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مذہب سے یہ مراد ہے تو
مذہب کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ انسان دنیا میں اکیلا نہیں بلکہ بطور سوسائٹی کے
ایک ممبر کے پیدا کیا گیا ہے اور دنیا میں چاروں طرف اس کے تعلقات ہیں۔ اگر
کسی کا وہ بیٹا ہے تو کسی کا باپ بھی ہے کسی کا بھائی ہے تو کوئی ایسا بھی ہے
جس سے اس کا کوئی رشتہ نہیں پھر کسی کا دوست ہے تو کسی کا دشمن ہے۔ کسی
کے ماتحت ہے تو کسی کا افسر ہے کبھی مجرد ہے تو کبھی شادی شدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔
غرض چاروں طرف اس کے تعلقات ہیں اور ان مختلف تعلقات والوں کے
ساتھ اس کو معاملہ کرنا ہے جس سے جب تک وہ دنیا میں زندہ موجود ہے وہ الگ
نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک اور لحاظ سے دیکھیں تو انسان کبھی امیر ہے تو کبھی غریب ہے
کبھی طاقتور ہے تو کبھی کمزور ہے۔ کبھی فاتح ہے تو کبھی شکست خوردہ ہی
کبھی تندرست ہے تو کبھی بیمار ہے وغیرہ وغیرہ اور ان مختلف حالات میں سے
اسے گذرنا ہے اور اپنا کوئی رویہ رکھنا ہے جس کے بغیر چارہ نہیں اور یہی مذہب ہے
یعنی مختلف تعلقات والوں کے ساتھ مختلف حالات کے ماتحت معاملہ کرنے میں جو طرز
اور طریق انسان اختیار کرے وہی اس کا مذہب ہے پس یہ کہنا غلط ہے کہ انسان
مذہب کے بغیر گذارہ کر سکتا ہے یا یہ کہ مذہب ایک قید ہے جو خواہ مخواہ انسان پر
پابندیاں ڈالکر اس کی ترقی میں روک پیدا کرتا ہے کیونکہ جب تک انسان زندہ ہی
اور دنیا کی کسی سوسائٹی (خواہ وہ کتنی ہی محدود ہو) کا ایک ممبر ہے اسوقت
تک وہ اس بات پر مجبور ہے کہ مختلف تعلقات والوں کے ساتھ مختلف حالات
کے ماتحت کسی قسم کا معاملہ کرے اور اس کے بغیر اسے چارہ نہیں گویا زندگی اور

مذہب اس لحاظ سے ہم معنی ہیں کیونکہ جب تک انسان زندہ ہے اس کے کسی نہ کسی سے تعلقات ہونگے خواہ وہ کسی قسم کے تعلقات ہوں اور وہ کسی نہ کسی حالت میں ہوگا خواہ وہ کیسی حالت ہو تو ان حالات میں وہ جس رنگ میں اپنی زندگی کو گذارتا ہے وہی اس کا مذہب ہے لہذا زندہ انسان کے لئے مذہب سے علیحدگی ایک ایسی بات ہے جو عقلاً ممتنع ہے پس یہ غلط ہوا کہ مذہب ایک قید ہے کیونکہ اگر مذہب ایک قید ہے تو پھر زندگی ایک قید ہے کیونکہ زندگی اور مذہب لازم ملزوم ہیں ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلاں مذہب ایک قید ہے یا فلاں مذہب بیہودہ اور غلط ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ انسان اپنی زندگی میں غلط طریق پر چلے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مطلقاً مذہب ایک قید ہے یا ایک باطل چیز ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان اپنی زندگی بغیر کسی طریق کے گذار دے۔ خلاصہ یہ کہ لامذہبی سکون کو چاہتی ہے اور زندگی حرکت کا نام ہے پس زندگی اور لامذہبی جمع نہیں ہوسکتے۔ ہاں جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں یہ بحث ہوسکتی ہے کہ فلاں قسم کی حرکت غلط ہے مگر جب تک زندگی ہے مطلق حرکت کے بغیر چارہ نہیں۔ پس وہ لوگ جو یہ کہکر اپنے آپ کو تسلی دے لیتے ہیں کہ ہم مذہب سے آزاد ہیں وہ سخت دھوکا خوردہ ہیں ہاں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان مذاہب سے آزاد ہیں جو عام طور پر دنیا میں رائج اور معروف ہیں اور یہ کہ ہم نے اپنا مذہب خود آپ بنایا ہے لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا وہ مذہب درست ہے جو انھوں نے بنایا ہے یا کوئی اور۔ پس مذہب کی بحث سے کوئی شخص یہ کہکر دامن نہیں چھڑا سکتا کہ وہ مذہب کے بغیر رہنا چاہتا ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو لوگ دنیا سے کُلی طور پر انقطاع کر لیتے ہیں اور جنگلوں وغیرہ میں اکیلے جا بستے ہیں وہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو مذہب کی ضرورت نہیں تو گو یہ خود ایک باطل چیز ہے مگر اس کو مان بھی لیں تو پھر بھی یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ اوّل جب تک انسان زندہ ہے (اگر اور تعلقات سے وہ الگ بھی ہوجاوے) تو اس کا اپنا نفس اور مخلوقات کے بعض

دوسرے اقسام تو اس کے ساتھ ہیں پس ان کے ساتھ وہ جس طرح معاملہ کریگا وہی اس کا مذہب ہوگا ؎

دوسرے یاد رکھنا چاہیئے کہ گو ہم نے اوپر سہولت کی غرض سے مذہب کی صرف ایک شاخ کو لیا ہے یعنی مخلوقات کے ساتھ معاملات مگر مذہب صرف اسی تک محدود نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم اور ضروری اُس کی دوسری شاخ ہے جو خالق کے ساتھ معاملہ کے متعلق ہے جس سے انسان کسی صورت میں بھی آزاد نہیں ہوسکتا ؎

پس دنیا میں مذہب کے بغیر چارہ نہیں اور جو ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ غلطی خوردہ ہے تو اب سوال یہ رہا کہ کونسا مذہب اچھا ہے اور کس مذہب کو اختیار کرنا چاہیئے؟ آیا دنیا کے معروف اور رائج مذاہب یعنی اسلام عیسائی وہندو وغیرہ میں سے کسی کو یا ان کو چھوڑ کر کوئی اور نیا مذہب بنانا چاہیے؟ پھر یہ کہ اگر ان مذاہب میں سے کوئی مذہب درست ہے تو کون سا اور اگر ان میں سے کوئی بھی درست نہیں تو پھر وہ کون سا نیا مذہب ہے جو تیار کرنا چاہیئے۔ یہ سوالات ہیں جو غور طلب ہیں ورنہ لامذہبی ناممکن ہے اور عقلاً محال۔

اس جگہ ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ مذہب کسی فلسفہ کا نام نہیں جیسا کہ آریہ سماج کا عقیدہ ہے۔ آریہ سماج کے نزدیک مذہب ایک فلسفہ سے بڑھکر نہیں یعنی جو مسائل ایک آریہ اپنے مذہب کی جان سمجھتا ہے وہ چند فلسفیانہ مسائل ہیں جن کو ہماری عملی زندگی سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ حالانکہ فلسفہ اور مذہب دو متضاد چیزیں ہیں۔ فلسفہ ان مسائل کا نام ہوتا ہے جن پر انسان اپنے خالق کی ہستی یا اپنی ہستی یا دوسرے مخلوقات کی ہستی کے متعلق محض عقلی طور پر نظر ڈالتا ہے اور ان کے متعلق کوئی تھیوری یا رائے قائم کرتا ہے جس کا انسان کی عملی زندگی سے تعلق نہیں ہوتا اور مذہب اس عملی طرز اور طریق کا نام ہے

جو انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے پیش نظر رکھتا ہے اور جس کے مطابق وہ اپنی زندگی کی تمام حرکات کو چلاتا ہے۔ ہر چند کہ مذہب میں بھی اس حد تک فلسفہ کا دخل ہے جہاں تک یہ انسان کی عملی زندگی پر اثر ڈالتا ہے مگر خشک فلسفیانہ مسائل کا اس میں ہرگز دخل نہیں بلکہ ہمارا مذہب ہم کو ایسی بحثوں میں پڑنے سے روکتا ہے جن کا اعمال پر کوئی بھی اثر نہیں کیونکہ اس کا نتیجہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ عملی زندگی کمزور ہو جاتی ہے اور مذہب کی روح فلسفہ کے نیچے دب کر مردہ ہو جاتی ہے اور انسان اعلیٰ اخلاق کو کھو بیٹھتا ہے بلکہ بسا اوقات خشک فلسفہ کے نتیجہ میں دہریت کی طرف مائل ہو جاتا ہے ؎

فلسفی کہ عقل میجوید ترا دیوانہ ہست ۞ دور تر ہست از خردمنداں تو پنہاں تر

کیا شریعت ایک لعنت ہے

جیسا کہ اوپر کے مضمون میں بتایا گیا ہے مسیحی لوگوں نے مذہباً شریعت کو ایک لعنت اور بوجھ سمجھا اور باقیوں نے مذہباً تو نہیں مگر عملاً ضرور ان کی تائید کی اور شریعت کو ایک خواہ مخواہ کا بوجھ خیال کیا اور اس سے آزاد رہنے کو پسند کیا حالانکہ یہ ایک سخت دھوکا ہے جو مذہب اور شریعت کی حقیقت کو نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔ مذہب کیا ہے؟ اس کا مختصر سا جواب ہم اوپر دے آئے ہیں۔ اب دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ شریعت کیا چیز ہے؟ اس سوال کا جواب اس بات کو صاف کر دے گا کہ مطلق شریعت کے وجود کو لعنت قرار دینا خود ایک لعنتی خیال ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے مذہب کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ مذہب اس طرز کا نام ہے جس میں انسان اپنی زندگی گذارتا ہے تو اب شریعت کا سمجھنا بھی آسان ہو گیا کیونکہ شریعت ان قوانین کو کہتے ہیں جن کے مطابق انسان اپنا مذہب یعنی

زندگی کی حرکت رکھتا ہو پس اگر مذہب کے بغیر چارہ نہیں تو شریعت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ انسان اپنی زندگی میں کسی نہ کسی قانون کے ماتحت تو ضرور چلیگا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کونسا قانون ہو مگر مطلقاً قانون سے علیحدگی ناممکن ہے۔ اگر کوئی انسان شراب پیتا ہو تو یہ ایک قانون ہے اگر شراب سے علیحدگی پسند کرتا ہے تو یہ دوسرا قانون ہے۔ اگر بیوی کرتا ہے تو یہ ایک قانون ہے اگر بیوی سے علیحدگی رکھتا ہے تو یہ دوسرا قانون ہے۔ غرض قانون کے بغیر چارہ نہیں۔ ہاں سوال یہ ہے کہ کونسا قانون ہو۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں کسی قانون کو پسند نہیں کرتا بلکہ جو دل چاہے کرونگا اور پھر اپنے آپ کو قانون سے آزاد سمجھے تو یہ اس کی بیوقوفی ہوگی کیونکہ یہ بات کہ جو میرا دل چاہے کرونگا یہ بھی ایک قانون ہے کیونکہ ایسے شخص کے لئے یہی شریعت ہوگی کہ جو دل میں آیا شتر بے مہار کی طرح کر گذرے۔ غرض جب تک زندگی ہے اسوقت تک مطلق شریعت سے آزاد ہونا ناممکن ہے ہاں سوال وہی ہوگا کہ کونسی شریعت بہتر ہے؟ معروف مذاہب کی پیش کردہ شرائع میں سے کوئی یا وہ جو دل میں آوے کر گذرنا؟ عیسائی مذہب نے خدائی شریعت کو لعنت اور بوجھ قرار دیا مگر ذرا غور کرو نتیجہ کیا نکلا اور اس کے معنی کیا ہوئے؟ یہی ناکہ خدائی شریعت کو چھوڑا اور اس کو لعنت قرار دیا اس لئے کہ اپنی بنائی ہوئی شریعت پر چلیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؎

اب جب ظاہر ہوگیا کہ شریعت ان قوانین کا نام ہے جن کے مطابق انسان اپنی زندگی کو رکھے اور یہ کہ جب تک زندگی ہے قانون کے بغیر چارہ نہیں تو اب سوچو کہ شریعت ایک لعنت ہوئی یا رحمت ہے جس چیز کی انسان کو ہر قدم پر ضرورت ہو اور جس کے بغیر زندگی ناممکن ہو اس کا خدا کی طرف سے انسان کو دیا جانا کیا کہلائیگا؟ لعنت یا رحمت؟ پس یہ بے شک کہو کہ فلاں شریعت لعنت ہے لیکن مطلق شریعت لعنت نہیں بلکہ سراسر رحمت ہے۔ عیسائی صاحبان اگر ہم کو یہ کہیں کہ موسیٰؑ پر جو خدا کی طرف سے شریعت اتری تھی وہ لعنت تھی تو خیر کوئی بات ہے لیکن وہ تو غضب کرتے ہیں کہ مطلق شریعت کو

ہی ایک لعنت قرار دیتے ہیں جو محالات عقلی سے ہے۔ ان کے عقائد کا خلاصہ تو یہ نکلتا ہے کہ جو موسیٰ پر خدا کی طرف سے شریعت اُتری وہ لعنت تھی اور جو شریعت ہم دُنیا میں ہر روز اپنے لئے آپ بناتے ہیں وہ رحمت ہے۔ یہ خدائی شریعت چھوڑنے کا ثمرہ ہے۔ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسلام شریعت کو ایک رحمت قرار دیتا ہے۔ ایک آفتاب ہدایت منواتا ہے جو اس غرض سے کہ ہم دنیا کا سفر بغیر تکلیفوں اور دُکھوں میں پڑنے کے سیدھے راستے پر آرام کے ساتھ طے کر سکیں عالم روحانی کے اُفق سے طلوع ہوا ہے ۔

آزادی کا غلط مفہوم

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کان کو بھلی معلوم ہوتی ہے لیکن غور سے دیکھو تو باطل اور لغو نکلتی ہیں۔ انہی باتوں میں سے وہ خیال ہے جو آجکل آزادی کے متعلق عام طور پر نو تعلیم یافتہ گروہ میں رائج ہے۔ قانون سے علیحدگی کو آزادی سمجھ لیا گیا ہے اور خیال کر لیا گیا ہے کہ بس انسان کو اس بات کا اختیار ہونا چاہئیے کہ جو چاہے کر گذرے اور اس کی حرکات میں کوئی ذراسی بھی روک ہو تو وہ آزادی کے خلاف ہے۔ حالانکہ آزادی کا یہ مفہوم بالکل غلط اور بیہودہ ہے۔ اور اگر غور سے دیکھو تو مطلقاً آزادی تو اس دنیا میں ناممکن ہے کیونکہ انسان کسی نہ کسی قاعدہ کے ماتحت تو ضرور چلیگا جیسا کہ ہم مذہب اور شریعت کے تحت میں بیان کر آئے ہیں۔ اگر شراب کے روکے جانے کو وہ بُرا سمجھتا ہے اور اسے ایک قید خیال کرتا ہے تو شراب پینا بھی تو ایک پابندی اور قید ہے جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔ غرض جب تک انسان زندہ ہے وہ کوئی نہ کوئی کام تو ضرور کریگا۔ ہاں سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آیا سوسائٹی کی طرف سے انسان کو یہ اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ جو جی چاہے کر گذرے یا انسان کی زندگی کو بعض قواعد کے ماتحت لانا چاہئے ؟ سو اس کے متعلق سوچنا چاہیئے کہ اگر امر اوّل کو اختیار کیا جاوے

تو اس کا کیا نتیجہ نکلیگا ؟ یہی نا کہ چور چوری کریگا اور اس کو کوئی نہ روک سکیگا کیونکہ اس کو اس سے روکنا اس کی آزادی کے خلاف ہے۔ ڈاکو ڈاکہ ماریگا اور اس کو کوئی نہیں روکے گا کیونکہ یہ اس کی آزادی کے خلاف ہے۔ زانی شریف آدمیوں کی لڑکیوں اور بہنوں کو خراب کریگا اور اس کی طرف کوئی ہاتھ نہیں اُٹھائیگا کیونکہ اس سے اسکی آزادی میں فرق آتا ہے۔ طاقتور کمزور لوگوں کے حقوق دبائیگا اور انپر خواہ مخواہ کے ظلم روا رکھیگا اور اسکو کوئی کچھ نہ کہیگا کیونکہ وہ آزاد ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ غور کرو کیا ایسی سوسائٹی میں شریف انسان ایک لمحہ کے لئے بھی زندگی گذار سکتا ہے۔ تم کہوگے کہ نہیں بلکہ ایسے شریروں کو زبردستی روکنا چاہیئے۔ ہم کہتے ہیں درست مگر انکی آزادی کہاں گئی ؟ اسکے جواب میں ہر ایک عقلمند انسان کہیگا کہ آزادی یہ نہیں کہ جو بات جی میں آئے انسان کر گذرے بلکہ صحیح آزادی یہ ہے کہ جو مفید اور حق بات انسان کرنا چاہے وہ کر سکے۔ بس یہی ہمارا مطلب ہے کہ آزادی کا یہ مفہوم غلط ہے کہ جو جی میں آئے کر گذرنا بلکہ آزادی کے معنی یہ ہیں کہ جو واقعی حق اور مفید بات ہو وہ کر سکنا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حق بات سے یہ مراد نہیں کہ جو کرنیوالے کے خیال میں حق ہو وہ کر سکنا آزادی ہے بلکہ جو واقعی عقل کے نزدیک حق ہے اسکے کرنیکی طاقت رکھنا یہ آزادی ہے ورنہ بعض اوقات چور چوری کو حق سمجھتا اور زانی زنا کو جائز قرار دیتا ہے۔ اب دیکھو کہ جب آزادی کی یہ تعریف ہوئی تو ماتحتی اور آزادی متضاد نہ رہے بلکہ اگر ماتحتی ایسی ماتحتی ہے کہ جو حق بات کے کرنے سے نہیں روکتی تو وہ آزادی ہے اور اگر آزادی ایسی آزادی ہے کہ جو بُری باتوں کا رستہ کھولتی اور حق بات کے کرنے سے روکتی ہے تو وہ آزادی نہیں بلکہ ماتحتی ہے۔ غرض قواعد کی پابندی کو غلامی کہنا ایک ابلہانہ خیال ہے کیونکہ اگر قواعد ایسے ہیں کہ انسان کو بُری باتوں سے بچاتے اور نیک باتوں کے کرنیکا رستہ کھولتے ہیں تو وہ قواعد غلامی نہیں بلکہ آزادی پیدا کرنے والے ہیں پس آزادی یہ ہے کہ حق بات کر سکنا اور غلامی یہ کہ حق بات کے کرنے سے روکا جانا مگر حق سے مراد وہ حق ہے جو واقعی عقل انسانی کے مطابق ہو نہ کہ جسکو کوئی خاص فرد حق سمجھے۔ اور یہ آزادی کہ جو بات

اک تری قید محبت ہے جو کردے رستگار ۔ فقط خاکسار مرزا بشیر احمد

اسلام اور تعلّقات بین الاقوام

چند ماہ ہوئے جب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ علاج کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے اسوقت آپ نے بریڈلا ہال لاہور میں ایک عظیم الشان مجمع میں "اسلام اور تعلّقات بین الاقوام" پر جو معرکۃ الآرا تقریر فرمائی اس کا ایک حصہ ہم اپنے ناظرین کے مطالعہ کے لئے خلاصتاً درج ذیل کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

سب سے پہلے آپس میں صلح اور اتحاد کی تجویز حضرت مرزا صاحبؑ کی طرف سے کی گئی۔ اور ہم ہر وقت اس کے لئے تیار اور امادہ ہیں۔ عام لوگوں میں یہ غلط خیال پایا جاتا ہے۔ کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ احمدی جماعت کو ملک کی بھلائی برائی سے کوئی تعلق نہیں ملکی لحاظ سے خواہ کچھ ہو۔ یہ لوگ الگ تھلگ ہی رہتے ہیں۔ یہ خیال گو اس وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کہ احمدی جماعت کے لوگ اپنا بہت سا وقت دین کی طرف لگاتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ سب سے پہلے ہماری ہی جماعت میں یہ تحریک پیدا ہوئی۔ کہ آپس میں صلح ہونی چاہیئے۔ آج سب لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی ترقی آپس کے اتفاق کے بغیر ناممکن ہے۔ لیکن سب سے پہلے اس بات کی طرف حضرت مرزا صاحبؑ نے ہی توجہ دلائی۔ اور یہاں تک کہا۔ کہ آپس میں عارضی صلح ہی کر کے دیکھ لو۔ اگر اس سے فائدہ نہ ہوا۔ تو توڑ دینا۔ مگر افسوس اس وقت توجہ نہ کی گئی۔ اب بھی وقت ہے۔ کہ توجہ کی جائے۔ ورنہ حالت ایسی خطرناک ہو رہی ہے۔ کہ پھر بہت مشکل آپڑیگی ؛

اب مَیں وہ تجاویز بتاتا ہوں۔ جو اسلام نے آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے بتائی ہیں :۔

اسلام پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا ہے۔ کہ یہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ مگر جب مَیں قرآن اور حدیث سے حوالے پڑھونگا۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ اور ہر سمجھدار انسان کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ حقیقی صلح اور اتحاد کی بنیاد دراصل اسلام نے ہی رکھی ہے ؛

صلح کی تجاویز کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے میں قرآن کا ایک چھوٹا سا فقرہ پڑھتا ہوں۔ جس سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ کس طرح اسلام اتحاد کی تعلیم دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ کہ اے مسلمانو! تمہیں تمہارا خدا تین باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور تین کے کرنے سے منع کرتا ہے۔ جو کرنے والی ہیں۔ وہ تو یہ ہیں (۱) عدل (۲) احسان (۳) ایتائی ذی القربیٰ۔ اور جن کی ممانعت ہے۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) فحشاء (۲) منکر (۳) بغی۔ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلی بات عدل ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ تم سے جب کوئی نیک سلوک کرتا ہے۔ تم بھی اس سے ویسا ہی کرو۔ اگر کوئی تمھیں فائدہ پہنچاتا ہے۔ تم سے نیکی کرتا ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو۔ عیسائی۔ سکھ وغیرہ کی کوئی شرط نہیں۔ وہ جتنی نیکی تم سے کرتا ہے۔ تم بھی اس کے ساتھ اتنی ہی کرو۔ لیکن اگر کوئی تم سے برا معاملہ کرتا ہے۔ تو خواہ کوئی ہو۔ اس کے متعلق صرف اتنی اجازت ہے۔ کہ بدلا لے لو۔ اس سے زیادہ نہیں۔ دوسری بات یہ فرمائی۔ کہ اسی پر بس نہیں۔ کہ تم کسی کے ساتھ اتنی ہی نیکی کرو جتنی کوئی تم سے کرے۔ یا اتنا ہی دکھ دو۔ جتنا تم کو کسی نے دیا۔ بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ احسان کرو۔ یعنی اگر کوئی ایک حصہ نیکی کرتا ہے۔ تو تم اس کے ساتھ دو حصے نیکی کرو۔ اور اگر تمہیں دکھ دیتا ہے۔ تو اسے معاف کردو۔ تمھارے لئے پہلا زینہ تو یہ ہے۔ کہ اگر تم سے کوئی نیک معاملہ کرتا ہے۔ تو تم بھی اس سے اتنا ہی اچھا سلوک کردو۔ اگر کوئی تکلیف دے تو اتنی ہی تکلیف دے لو۔ لیکن اسلام کا خدا اس سے بڑھکر تمھارے اخلاق دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلئے حکم دیتا ہے۔ کہ احسان کرو۔ یعنی جو تم سے نیکی نہیں کرتا۔ اس سے بھی اچھا سلوک کرو۔ اور جو ایک حصہ نیکی کرتا ہے۔ اس سے دو چار حصہ زیادہ تم اس سے نیکی کرو۔ ہاں جو دکھ دے۔ اسے تم اتنا ہی دکھ دے سکتے ہو۔ لیکن اگر موقع ہو۔ تو معاف بھی کر دیا کرو۔ پھر اسی پر بس نہیں کرتا۔ بلکہ کہتا ہے۔ کہ ایتائی ذی القربیٰ یعنی کسی

اس طرح سلوک کرنا جس طرح قریبی سے قریبی رشتہ دار کرتا ہے۔ اور کسی معاوضہ کی امید نہیں رکھتا۔ جیسے ماں بچے سے سلوک کرتی ہے۔ یوں اگر کوئی کسی پر احسان کرتا ہے۔ تو اس خیال سے کرتا ہے کہ وہ بھی مجھ سے اچھا سلوک کرے۔ لیکن ایتائی ذی القربیٰ میں یہ خیال نہیں ہوتا۔ ایک ماں اپنے بچّہ کو اس لئے نہیں پالتی۔ کہ وہ اس سے کسی بدلے کی امید وار ہوتی ہے۔ یہ بے شک ہوتا ہے۔ کہ اگر ماں زندہ رہے۔ تو بعد بچّے اس کی خدمت کرتے ہیں۔ مگر ماں کے پرورش کرنے کی یہ غرض نہیں ہوتی۔ اس کی تو اگر جان بھی نکل رہی ہو۔ تو اسے بچّہ کا ہی خیال ہوگا۔ کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ تو فرمایا ہر ایک مسلمان کو چاہیئے۔ کہ اس کے دوسروں کے ساتھ ایسے عمدہ تعلقات ہوں۔ کہ اگر کسی سے نیک سلوک کرے۔ تو قطعاً اس امید پر نہ کرے۔ کہ وہ بھی مجھ سے اچھا سلوک کرے۔ بلکہ اسی طرح کرے۔ جس طرح ایک ماں اپنے بچّے سے کرتی ہے ؛

اب دیکھو اس تعلیم پر اگر مسلمان۔ ہندو۔ عیسائی۔ سکھ وغیرہ عمل کریں۔ تو آپس کے فساد مٹ سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ ضرور مٹ سکتے ہیں۔ کیونکہ جب ہر ایک کی یہ کوشش ہو۔ کہ آپس کے ہر معاملہ میں عدل ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ احسان ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا بے غرضانہ تعلق ہو۔ جیسا طبعی طور پر ماں کو بچّہ سے ہوتا ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کہ آپس میں فساد ہو۔ یہ تو کرنے کی باتیں بتائیں۔ ان کے مقابلہ میں تین ہی ایسی باتوں سے روکا جن کے کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ (۱) فحشا یعنی گندی اور بری باتوں اور برے خیالات سے پرہیز گویا پہلا حکم یہ دیا۔ کہ اوّل اپنے نفس کی اصلاح کرو۔ اور اپنے دل میں کسی بری بات کو پیدا ہی نہ ہونے دو۔ کیونکہ اس سے بھی دوسروں پر اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ قلبی حالات جاننے والے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ایک کے قلب میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ دوسروں پر ان کا اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شریر کے پاس بیٹھنے والا خواہ اس کی شرارتیں نہ بھی دیکھے۔ تو بھی متاثر ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نیک کے پاس بیٹھنے والا خواہ اسکی نیکیاں نہ دیکھے۔ تو بھی اس پر

اثر ہوتا ہے۔ تو یہ ثابت شدہ بات ہے۔ اس لیئے فرمایا تمہارے دل میں بھی کوئی بُرائی نہیں پیدا ہونی چاہیئے۔ اس کے متعلق یہ خیال نہ کرنا کہ اس سے لوگوں کو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو تم خود لوگوں میں شامل ہو۔ دوسرے یہ کہ دوسروں پر اثر پڑتا ہے۔ پھر اس سے بڑھکر بُرائی سے روکا۔ اور وہ منکر ہے۔ منکر ایسی بُرائی ہوتی ہے۔ جو نظر آئے۔ ایسے عمل سے گو لوگوں کو دُکھ نہ پُہنچے۔ مگر اس کو دیکھ کر اثر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ اور اسی طرح کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ تو فرمایا اس بدی سے ہم تمہیں روکتے ہیں۔ جو دوسروں کو نظر آتی ہے۔ پھر فرمایا اس سے بھی بڑھکر اور بدیاں ہیں۔ جو بغی کہلاتی ہیں۔ یعنی ایک دوسرے پر حملہ کرنا۔ چوری کرنا۔ ڈاکہ مارنا۔ یا اور ایسے افعال کرنا جن کا اثر دوسروں پر ہو۔ تو فرمایا ہم یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ تمہارا کوئی عمل ایسا نہ ہو۔ کہ جس سے کسی اور کو تکلیف پُہنچے ٭

یہ تو مَیں نے مجمل طور پر بتایا ہے۔ کہ اسلام ہر مومن کو اس قسم کے اخلاق رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اب مَیں تفصیلی طور پر بتاؤں گا۔ کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا اور آپ نے اس پر عمل کیسا کیا ٭

سب سے پہلا امر جو دو قوموں میں صلح کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور جس کے بغیر کوئی اتحاد قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ یہ ہے۔ کہ کوئی مذہب والا کسی دوسرے مذہب والے سے تعرض نہ کرے۔ جب سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ دوسروں سے جبرًا اپنا مذہب منوائیں۔ اسی وقت سے لڑائیاں اور عداوتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر مذہبی اختلاف کی پروا نہ کرتے ہوئے دنیاوی امور میں اتفاق اور اتحاد سے کام لیا جاتا۔ تو پھر یہ حالت نہ ہوتی۔ اس کے متعلق اسلام نے جیسی کُھلی اور صاف تعلیم دی ہے۔ ویسی اور کسی جگہ نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں۔ کہا گیا ہے۔ لکم دینکم ولی دین (۱۰۹-۱۶) کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ ان کو کہدو کہ مذہبی طور پر جن باتوں کو ہم مانتے ہیں۔ ان کو تم نہیں مانتے۔

اور جن کو تم مانتے ہو۔ ان کو ہم نہیں مانتے۔ لیکن ان کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ایک دوسرے کو اپنا مذہب جبراً منوائیں۔ بلکہ اس طرح ہونا چاہیئے۔ کہ تمہارا دین تمہارے لئے ہو۔ اور ہمارا دین ہمارے لئے۔ پھر فرمایا لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (۲-۲۰۷) دین کے بارے میں کبھی کسی پر جبر نہیں کرنا چاہیئے دین ہدایت ہے۔ اور اسلام چونکہ ہدایت لیکر آیا ہے۔ اس لئے اس کے ذریعہ حق اور باطل ہدایت اور گمراہی میں کھلا کھلا فرق ہو گیا ہے۔ پس جب یہ حالت ہے تو دین کے معاملہ میں جبر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ایک نہایت لطیف نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ تلوار اسی وقت اٹھائی جاتی ہے۔ جبکہ کسی امر کا اور کسی ذریعہ سے فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کے بغیر کسی اور طریق سے فیصلہ ہو جائے۔ تو اس کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ اب جس مذہب والا اپنے مذہب کے لئے تلوار چلاتا ہے۔ وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے۔ کہ اس کے مذہب میں سچائی نہیں ہے۔ اور وہ اپنے مذہب کی صداقت دلائل کے ساتھ نہیں ثابت کر سکتا۔ اسلئے تلوار اٹھاتا ہے۔ مگر اسلام کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کھلی اور صاف ہدایت ہے۔ اس لئے اس کے لئے ضرورت نہیں ہے۔ کہ تلوار اٹھائی جائے۔ اور کسی قسم کے جبر سے کام لیا جائے۔ اسلام کی تو یہ تعلیم ہے۔ لیکن افسوس اسلام ہی کے متعلق یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ زبردستی تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے۔ دراصل یہ الزام لگانے والے بھی ایک حد تک معذور ہیں۔ کیونکہ اس وقت مسلمان اسلام کی تعلیم کو بھلا کر اس سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ ایک مثل مشہور ہے۔ کوئی ہندو کسی پٹھان کے قابو آ گیا۔ پٹھان نے اسے کہا پڑھ کلمہ اور مسلمان ہو جا ورنہ جان سے مار دونگا۔ ہندو نے پہلے منت خوشامد کی۔ لیکن جب دیکھا کہ کسی طرح بچنا مشکل ہے۔ تو اسے کہنے لگا۔ اچھا پڑھا کلمہ میں پڑھتا ہوں پٹھان نے کہا تو خود پڑھ۔ اس نے کہا مجھے نہیں آتا۔ میں کیا پڑھوں۔ پٹھان نے کہا افسوس کلمہ تو مجھے بھی نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ تیری قسمت خراب ہے۔ ورنہ آج

ہیں۔ تجھے مسلمان بنا لیتا۔ یہ ایک قصّہ ہے۔ واقعہ نہیں۔ مگر اس قسم کی مثالوں اور قصّوں سے مسلمانوں کو عبرت ضرور حاصل کرنی چاہیئے۔ پس اگر غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ تلوار اور جبر سے اپنا مذہب منوانے والے وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے پاس اپنے مذہب کو سچّا ثابت کرنے کے لئے دلائل نہیں ہوتے۔ اور نہ وہ اپنے مذہب سے واقف ہوتے ہیں۔ ورنہ جن لوگوں کو اپنے مذہب کی صداقت کے دلائل معلوم ہوں۔ وہ دلائل پیش کر کے دوسروں سے منواتے ہیں۔ اور اس بات پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ کہ اگر آج ہمارے پیش کردہ دلائل تسلیم نہیں کیئے گئے۔ تو کل تسلیم کر لئے جائینگے۔ کیونکہ سارے کے سارے انسان خواہ کسی مذہب کے ہوں۔ ضدی اور ہٹ دھرم نہیں ہوتے۔ بلکہ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں اگر دلائل سمجھ میں آجائیں۔ تو حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ ہندوؤں میں بہت سے ایسے لوگ ہونگے۔ جن پر اگر دلائل کے ذریعہ ثابت ہو جائے۔ کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ تو ماننے سے دریغ نہ کرینگے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں پر ثابت کر دیا جائے کہ ہندو مذہب سچّا ہے۔ تو وہ اسی وقت اسکو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائینگے۔ ہندو مسلمانوں سے مسلمان ہندوؤں سے عیسائی مسلمانوں سے اسی وقت تک دُور دُور ہیں۔ جب تک وہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ دوسرے مذہب میں سچّائی نہیں۔ اگر انہیں سچّائی معلوم ہو جائے۔ تو ضرور سچّے مذہب کو قبول کر لیں۔ پس کسی سچّے مذہب کے منوانے کے لئے ہرگز جبر کی ضرورت نہیں ہے ؎

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (سورہ کہف رکوع ۴) تو کہدے کہ خدا کی طرف سے ایسی بات آگئی ہے۔ جو حق ہے۔ اور ثابت ہو کر رہیگی۔ پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے کسی کو زبردستی نہیں منوانا چاہیئے۔ بلکہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر سچی بات ہے۔ اور واقعہ میں ہے۔ تو اسے خود ہی مان لینگے ؎

ان آیات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں کو بڑے زور کے ساتھ کہا گیا ہے۔ کہ قطعاً کسی سے جبراً مذہب نہیں منوانا چاہیئے۔ اور جو لوگ اسلام کی تعلیم سے واقف ہیں۔ وہ ایسا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر سب مذاہب والے کریں۔ تو پھر کوئی فتنہ اور فساد نہیں پیدا ہو سکتا ؛

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے اسلام منوانے کے لئے کبھی کسی پر جبر نہیں کیا۔ آج وہ لوگ جو آپ کے حالات سے ناواقف ہیں۔ ضد اور تعصب کی وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ آپ نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا۔ مگر وہ جو جانتے ہیں۔ انہیں خوب علم ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایسی گذری ہے۔ جس میں جبر کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ اس وقت میں آپ کی زندگی کا ایک معمولی واقعہ بیان کرتا ہوں۔ جس سے معلوم ہو گا۔ کہ کس طرح آپ دوسروں کو دین کے معاملہ میں آزادی دیتے اور اسلام منوانے کے لئے کسی قسم کا جبر نہیں کرتے تھے ؛

ایک دفعہ آپ کہیں سفر پر گئے۔ جب واپس تشریف لائے۔ تو راستہ میں ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے ٹھیر گئے۔ اور اسی جگہ سو گئے۔ تلوار آپ کے پاس تھی۔ اسے ایک طرف رکھدیا۔ اس حالت میں ایک اعرابی آیا۔ اس نے آپ کو پہچان لیا اور آپ ہی کی تلوار نکال کر کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتاؤ اب میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ، اللہ، اللہ یہ آپ نے ایسے پُرجلال لہجہ میں کہا۔ کہ وہ گھبرا گیا۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے تلوار اُٹھالی۔ اور کہا اب تُو بتا۔ تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اس نے کہا آپ مجھ سے نیک معاملہ ہی کریں۔ اور نرمی سے پیش آئیں۔ آپ نے فرمایا کیا تُو گواہی دیتا ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ اور میں اس کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں۔ کہ اگر آپ میری جان بخشی کریں۔ تو میں آپ کے مقابلہ میں کبھی لڑنے نہیں آؤنگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب وہ چھوٹ کر آیا۔ تو اپنے قبیلہ میں آکر کہا۔ کہ میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آیا ہوں۔ کہ جس سے بڑھکر نیک سلوک کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں۔" اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ رسول کریمؐ نے ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا۔ جو آپؐ کی جان لینے کے لئے آیا تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ تاہم اسے چھوڑ دیا گیا۔ اگر آپؐ لوگوں کو تلوار کے ذریعہ مسلمان بنایا کرتے۔ تو ایک ایسے شخص کو جس کی زندگی اور موت کا فیصلہ آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔ کیوں یونہی جانے دیتے۔ پھر دیکھو مکّہ کے لوگ جنہوں نے رسول کریمؐ کو سخت سے سخت تکلیفیں دیں۔ اور مارنے کے منصوبے کئے۔ ان پر جب آپؐ کو قبضہ و اقتدار حاصل ہوا۔ تو آپؐ نے ان سے پوچھا بتاؤ اب تم سے کیا سلوک کیا جائے اُنھوں نے کہا وہی سلوک کریں۔ جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اچھا میں تم کو معاف کرتا ہوں۔ یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے ثابت ہے۔ کہ جبراً کبھی کسی کو مسلمان نہیں کیا گیا۔ پس ایک طرف تو قرآن کریم نے یہ تعلیم دی ہے۔ کہ کسی پر اپنا مذہب منوانے کے لئے جبر نہیں کرنا چاہیئے۔ اور دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ اس تعلیم پر اگر سب مذاہب کے لوگ قائم رہیں۔ تو بہت سی نزاعوں کا خاتمہ اسی سے ہو جاتا ہے۔

اب ہم دوسری بات کو لیتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ کوئی مذہب والا کسی پر جبر نہ کرے۔ کیونکہ جبر سے آپس میں عداوت اور دشمنی بڑھتی ہے۔ اور سوائے نقصان کے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن ایک بات ہے۔ جو فساد کا موجب ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بعض قومیں دوسروں پر مذہب بدلنے کے لئے تو زور نہیں ڈالتیں۔ مگر دوسرے طریقوں اور خاصکر سیاسی چالوں سے دُکھ دیتی رہتی ہیں۔ اس کے متعلق میں بتاتا ہوں کہ اسلام کی کیا تعلیم ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

مجھے کل ستر د تاریخ کو ایک مطبوعہ اعلان ملا ہے۔ جس پر دستخط کرنے والوں میں سے بعض ہندوستان کے سربرآوردہ اصحاب بھی ہیں۔ اس اشتہار میں اسبات کا اظہار کیا گیا ہے کہ ترکی حکومت کا مستقبل بحالت موجودہ سخت خطرہ میں ہے۔ اس لئے سب مسلمانوں کو ملکر اسپر صدائے احتجاج بلند کرنی چاہیئے تاکہ اصحاب حل وعقد کو معلوم ہو جائے۔ کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کو کیسی گہری دلچسپی اور لگاؤ ہے۔ یہ اشتہار مجھے بھی بھیجا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مطبوعہ چٹھی سید ظہور احمد صاحب وکیل سکرٹری مسلم کانفرنس کی طرف سے بھی مجھے ملی ہے جسمیں اس جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اسپر مکرم جناب مولوی محمد سلامت اللہ صاحب فرنگی محل نے بھی اپنی جانب سے شمولیت جلسہ کی تاکید کی ہے چونکہ میں بوجہ بیماری کے اور بوجہ اس کے کہ مجھے وہاں جانے میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ وہاں بذاتہ نہیں جا سکتا۔ اس لئے میں بذریعہ اس تحریر کے جو اپنے قائم مقاموں کے ہاتھ بھیجتا ہوں۔ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا

ہوں - کہ اس مخلصانہ مشورہ پر کافی طور پر غور کیا جاویگا ؛

ترکوں کے مستقبل کا سوال ایک ایسا سوال ہے - کہ جس سے طبعاً ہر ایک مُسلمان کہلانے والے کو دلچسپی ہونی چاہیئے اور ہے - اور جب تک ان سے ہمدردی کرنی اور ان کی موافقت کرنی شریعت کے کسی اور حکم کے خلاف نہ آپڑے - ضروری اور لازمی ہے - جب تک ترک گورنمنٹ برطانیہ سے برسرِ پیکار رہے - مسلمانانِ ہند کی ایک کثیر تعداد ہتھیار بند ہوکر ان کے خلاف لڑتی رہی - اور شاید ہزاروں ترک مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے ہونگے - مگر یہ ان کا فعل اس بات پر دلالت نہیں کرتا - کہ ان کو ترکوں سے کسی قسم کا تعلق اور لگاؤ نہیں - بلکہ صرف اسی مسلمہ اصل کی طرف اشارہ کرتا ہے - کہ چھوٹی چیز بڑی چیز کے لئے قربان کی جاتی ہے - چونکہ گورنمنٹ کی فرمانبرداری ان پر مذہباً فرض تھی - اور وہ اس کے ممنونِ احسان تھے - انہوں نے اسوقت تک کہ گورنمنٹ برطانیہ کی ترکوں سے جنگ رہی - اپنے اس مذہبی فرض کے ماتحت گورنمنٹ برطانیہ کی خاطر اور امن کے قیام کے لئے ایک مسلمان کہلانیوالی قوم سے جنگ کی - اور انپر گولیاں چلائیں - مگر جونہی جنگ ختم ہوگئی - اور سلطنت برطانیہ کے تعلقات ترکوں سے درست ہوگئے - مسلمانوں کی طبعی ہمدردی پھر جوش میں آئی - اور اب ان سے ہمدردی کرنا شرعاً و عرفاً کسی طرح ممنوع نہ تھا ؛

پس اسمیں کوئی شک نہیں - کہ تمام عالم اسلامی ترکوں کے مستقبل کی طرف افسوس اور شک کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے - اور یہ بھی درست ہے کہ انکی حکومت کا مٹا دینا یا انکے اختیارات کو محدود کر دینا انکے دلوں کو سخت صدمہ پہنچائے گا - مگر انکی یہ وجہ بیان کرنا کہ سلطان ٹرکی خلیفۃ المسلمین ہیں - درست نہیں - کیونکہ بہت سے لوگ انکو خلیفۃ المسلمین نہیں مانتے - مگر پھر بھی ان سے ہمدردی رکھتے ہیں ؛

علاوہ ازیں میرے نزدیک ایسے نازک وقت میں جبکہ اسلام کی ظاہری شان و شوکت سخت خطرہ میں ہے - اس مسئلہ کو ایسے طور پر پیش کرنا کہ صرف ایک ہی خیال اور

ایک ہی مذاق کے لوگ اسمیں شامل ہوسکیں۔ سیاسی اصول کے بھی برخلاف ہے۔ ہندوستان
کے مسلمانوں کا ایک معتدبہ حصہ شیعہ مذہب کے لوگوں کا ہے۔ اور سوائے بعض نہایت
متعصب لوگوں کے تعلیم یافتہ اور سمجھدار طبقہ ترکوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔ مگر وہ کسی
طرح بھی سلطان ٹرکی کو خلیفۃ المسلمین ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح اہلحدیث میں سے
گو بعض لوگ خلافت عثمانیہ کے ماننے والے ہوں۔ مگر اپنے اصول کے مطابق وہ لوگ بھی
صحیح معنوں میں خلیفۃ المسلمین سلطان کو نہیں مانتے۔ ہماری احمدیہ جماعت تو کسی صورت
میں بھی اس اصل کو قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اسکے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی قبل از وقت دی ہوئی اطلاعوں کے ماتحت آپکی صداقت کے قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ
نے حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب کو اس زمانہ کے لئے مسیح موعود اور مہدی مسعود بنا کر
مسلمانوں کی ترقی اور قیام کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اور اسوقت وہی شخص خلافت کی
مسند پر متمکن ہو سکتا ہے۔ جو آپ کا متبع ہو۔ اور قریباً تمام کی تمام جماعت احمدیہ اسوقت
اس عاجز کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر کے اسبات کا عملی ثبوت دے چکی ہے۔ کہ وہ کسی اور
خلافت کے تسلیم کرنیکے لئے تیار نہیں۔ ان تینوں فرقوں کے علاوہ اور فرقہ بھی ہیں۔ جو
اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ لیکن خلافت عثمانیہ کے قائل نہیں بلکہ
خود سنت والجماعت کہلانیوالے لوگوں میں سے بھی ایک فریق ایسا ہے۔ جو خلافت
عثمانیہ کو نہیں مانتا۔ ورنہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ ایک شخص کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کا صحیح جانشین تسلیم کر کے وہ اسکے خلاف تلوار اٹھاتے۔ پس اندریں حالات ایسے جلسہ
کی بنیاد جسمیں ترکوں کے مستقبل کے متعلق تمام عالم اسلامی کی رائے کا اظہار مدنظر
ہو۔ ایسے اصول پر رکھنی جنھیں سب فرقہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ درست نہیں۔ کیونکہ اس سے
سوائے ضعف و اختلال کے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا ؎

میرے نزدیک اس جلسہ کی بنیاد صرف یہ ہونی چاہیئے۔ کہ ایک مسلمان کہلانیوالی ....
سلطنت کو جس کے سلطان کو مسلمانوں کا ایک حصہ خلیفہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ ہٹا دینا یا ریاستوں
کی حیثیت دینا ایک ایسا فعل ہے۔ جسے ہر ایک فرقہ جو مسلمان کہلاتا ہے۔ ناپسند کرتا ہے

اور اس کا خیال بھی اسپر گراں گزرتا ہے۔ اس صورت میں تمام فرقہ ہائے اسلام اس تحریک میں شامل ہو سکتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ خلافت عثمانیہ کے قائل نہوں۔ بلکہ باوجود اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے اور سمجھتے ہوں۔ اس اصل پر متحد ہو کر یکزبان ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ گو ایک فریق دوسرے کو کافر سمجھتا ہو مگر کیا اسمیں کوئی شک ہے کہ دنیا کی نظروں میں اسلام کے نام میں سب فرقہ شریک ہیں۔ اور اسلام کی ظاہری شان و شوکت کی ترقی یا اسکو صدمہ پہنچنا سب پر یکساں اثر ڈالتا ہے۔

جماعت احمدیہ کے نزدیک ہمارے سلطان ملک معظم جارج خامس فرمانروائے حکومت برطانیہ ہیں۔ اور خلیفۂ وقت حضرت مسیح موعود کا صحیح جانشین یعنی یہ عاجز ہے۔ مگر باوجود اسکے جماعت احمدیہ اسوقت جبکہ سلطنت برطانیہ کے مفاد اور اس کی عزت کے خلاف کوئی امر نہو ترکوں کی سلطنت سے ہر طرح ہمدردی رکھتی ہے۔ کیونکہ باوجود اختلاف عقیدہ رکھنے کے انکی ترقی سے اسلام کے نام کی عظمت ہے۔ جسمیں ہم دونوں شریک ہیں۔ اس مخلصانہ مشورہ کے بعد میں تمام احباب کرام سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ لوگ اس طرح اتفاق کے ساتھ ایک مقام پر کھڑے ہو کر کام کرنیکے لئے تیار ہوں۔ جو امید ہے کہ نہ صرف اس غرض کیلئے مفید ہو۔ جس کے لئے یہ جلسہ کیا گیا ہے۔ بلکہ آئندہ کے لئے بھی بہت سے بابرکت نتائج پیدا کرے تو یہ بات بھی آپ لوگوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ بڑے کام بڑی محنت اور بڑی قربانی چاہتے ہیں۔ حکومتوں کا فیصلہ جلسوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ نہ جلسے کسی کے خیالات کے صحیح ترجمان ہوتے ہیں۔ بہت دفعہ لوگ جوش میں آکر چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے جلسے کر لیتے ہیں۔ اور خوب زوردار تقریریں کرتے ہیں مگر وہ تقریریں اور وہ اجتماع انکے حقیقی خیالات کے ترجمان نہیں ہوتے۔ کیونکہ ابھی زیادہ دن نہیں گزرتے کہ وہ اس امر کو بالکل فراموش کر کے خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ اور انکی قوت عمل انکے زور بیان کی تائید نہیں کرتی۔ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جو خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ اس اٹل قانون کو یاد نہیں رکھتی۔ کہ ہر ایک کام کی تکمیل کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ اور ہر ایک کامیابی کے لئے ایک دروازہ ہے۔ جب تک اس وقت تک جو اس کے لئے مقرر ہے۔ صحیح ذرائع سے کوشش

نہ کی جاوے۔ کامیابی محال نہیں ناممکن ہے۔
پچھلی جنگ کو ہی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ باوجود بعض جلد بازوں کے اندازہ لگانے کے کہ چند ماہ میں جنگ ختم ہو جائیگی۔ قریباً پانچ سال اس پر خرچ ہوئے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ اس کے شعلے کسی نہ کسی جگہ اب تک بھی بھڑک اُٹھتے ہیں۔ جن قوموں نے اس میں حصہ لیا۔ انہوں نے کس طرح کام کیا۔ یہ نہیں۔ کہ ملک میں جلسہ کر کے اپنی حکومت کی تائید کر دی۔ اور اپنے کام سے فارغ ہو گئے۔ بلکہ عورت۔ مرد۔ بچہ اور بوڑھے ہر ایک نے الاماشاء اللہ اپنا پورا زور لگایا۔ اور جو جنگ پر جاسکتے تھے وہ جنگ کے لئے نکل پڑے۔ اور جو کسی نہ کسی وجہ سے لڑائی کرنے سے معذور تھے۔ انہوں نے دوسرے ایسے کام اختیار کر لئے۔ جن سے جنگ پر جانے والوں کو مدد ملے۔ اور ان کے کام میں آسانی پیدا ہو۔ اور ان کی تکالیف میں کمی واقع ہو۔ اور ساڑھے چار سال تک تمام افراد ملک نے رات کو رات نہیں سمجھا۔ اور دن کو دن نہیں خیال کیا۔ اور صرف وقت کی قربانی ہی نہیں کی۔ بلکہ عقلمندوں نے اپنی عقل خرچ کی مالداروں نے اپنے مال گھروں سے نکالکر باہر پھینک دئے۔ اور جائداد والوں نے اپنی جائدادوں کو پیش کر دیا۔ غرض ایک ہی غایت و مدعا ان کے سامنے رہ گیا۔ باقی ہر ایک چیز ان کی نظروں میں ہیچ ہو گئی۔ تب جاکر ایک فریق کو فتح نصیب ہوئی۔ مگر فتح کے بعد بھی وہ آرام سے نہیں بیٹھے صلح کی تکمیل کے لئے بھی جنگ میں حصہ لینے والی حکومتوں کے سینکڑوں آدمی دن اور رات محنت سے کام کر رہے ہیں۔ اور اس بات کو خوب محسوس کرتے ہیں کہ بہت سے نادان میدان جنگ میں فتح پاکر صلح کے کمرہ میں شکست کھا جایا کرتے ہیں۔ ہر ایک قوم اپنے فوائد پر نظر جمائے بیٹھی ہے۔ اور ایک لحظہ کے لئے ان کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی۔ اور اس قدر قربانیوں کے بعد وہ اس امر کو برداشت بھی کب کر سکتی

ہے۔ کہ وہ فوائد جو اس کا حق ہیں یا جن کا حاصل کرنا وہ اپنا حق سمجھتی ہے۔ یونہی اسکے ہاتھوں سے نکل جاویں *

پس اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ یہ کام معمولی کام نہیں ہے۔ ترکوں نے میدان جنگ میں شکست کھائی ہے۔ اور اب وہ مغلوب و مفتوح قوم کی حیثیت میں ہیں۔ ان پر فتح پانیوالے ان کے مقبوضہ ممالک کو اپنا جائز حق سمجھتے ہیں۔ اور ان کو آپس میں تقسیم کر لینا یا ان کی حکومت میں اپنے منشاء کے ماتحت تبدیلی کر دینا ان کے نزدیک عدل و انصاف کے بالکل مطابق ہی پس وہ کسی قوم یا کسی فرقہ کے کہنے سے اپنے حقوق کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ ترکوں کی سابقہ مملکت کو بلا کسی تبدیلی کے چھوڑ دیں یا تبدیلی کریں۔ تو بہت کم۔ شیر کے منہ سے اس کا شکار چھڑانے سے بہت زیادہ مشکل ہے ہم اس ملک میں دیکھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے حق کے لئے قومیں آپس میں لڑتی ہیں۔ اور انکو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتیں۔ تو ایک سلطنت کے معاملہ میں اور پھر ایسی سلطنت کے معاملہ میں جس کا قیام ان کے نزدیک ان کی تہذیب کی حیات و موت کا سوال ہے کانفرنس صلح میں بیٹھنے والی اقوام سے یہ اُمید کیونکر کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ ہمارے جلسوں یا ہماری تقریروں سے متاثر ہو کر اپنے مزعومہ حقوق سے فوراً دست بردار ہو جاویں اس کے لئے کوشش کی ضرورت ہے۔ اور محنت کی حاجت ہے۔ پھر کوشش و محنت بھی وہ جو جوانوں کو بوڑھا کر دے۔ اُصول اتحاد پر مبنی ہو۔ اور سوچ سمجھ کر صحیح ذرائع سے کی جاوے۔ اور اس میں مال و وقت کی قربانی سے دریغ نہ کیا جاوے۔ جبکہ وہ لوگ جو پہلے سے آپس میں معاہدات کر چکے ہیں۔ جو اتحادیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو ایک مذہب و ملت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ایک قسم کی تہذیب کے اثر کے نیچے ہیں۔ ان معاملات کے تصفیہ کے لئے ہزاروں کی تعداد میں ایک مقام پر جمع ہیں۔ اور ہزاروں نہیں لاکھوں اپنے اپنے گھروں میں اس کام کو نیک طور پر سر انجام دینے میں مشغول ہیں۔ کمیشن مقرر کرتے ہیں۔ سب کمیٹیاں

بٹھاتے ہیں۔ ہر قسم کے علوم وفنون کے ماہروں سے مشورہ لیتے۔ آسانی سے فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اور ایک ایک سوال کے حل کرنے پر مہینوں لگا دیتے ہیں تو سیاسی نقطہ خیال سے بے تعلق ایک دوسرے مذہب کی پیرو ایک دوسری تہذیب کی دلدادہ دنیاوی طور پر کمزور اور ناتوان جماعت کی کمزور آواز کو مفید اور با اثر بنانے کے لئے کس قدر سعی اور کوشش کی ضرورت ہے۔ اگر اس جلسہ کے منعقد کرنیوالے اور اس میں شمولیت کرنے والے اس محنت کی برداشت کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور اس بوجھ کے اُٹھانے کے لئے بخوشی دل تیار ہیں۔ تو پھر یہ سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہ اس کام کے سرانجام دینے کا ذریعہ کیا ہے؟

اس تیسرے امر کے متعلق جو کچھ میری رائے ہے اور جس کی پابند تمام جماعت احمدیہ ہے۔ وہ تمام احباب کرام کے غور کے لئے ذیل میں درج کر دیتا ہوں:۔

میرے نزدیک اس کام کے لئے سعی کرنے سے پہلے مسلمانوں کو اس امر کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ترکوں نے مستقبل کے متعلق فیصلہ جن طاقتوں نے کرنا ہے۔ ان میں سے صرف حکومت برطانیہ ہی ایک ایسی طاقت ہے۔ جسے ترکوں کے مفاد سے دلچسپی ہے۔ اور جو ان کی ایک حد تک مدد کرنا چاہتی ہے۔ اور جس کے وزراء نہایت محنت سے ان خیالات سے جو ترکوں کے مستقبل کے متعلق مسلمانوں کے دلوں میں موجزن ہیں صلح کی کانفرنس کو مطلع کر رہے ہیں۔ حکومت حجاز کی تائید اور نصرت بھی صلح کی کانفرنس میں حکومت برطانیہ ہی کر رہی ہے۔ اور اس کا اعتراف حکومت حجاز کا نیم سرکاری اخبار "قبلہ" کئی بار کر چکا ہے۔ پس اپنے تمام اعمال میں مسلمانوں کو برطانیہ کے اس احسان کو مدنظر رکھنا چاہیئے تا ایسا نہو کہ وہ اپنے جوش میں اس دوست کو بھی اپنے ہاتھوں سے کھو دیں۔ اور احسان فراموشی

کے جرم کے مرتکب ہوں۔ حکومت برطانیہ مسلمان نہیں۔ کہ مذہباً وہ ترکوں کی ہمدرد ہو۔ نہ سیاسی طور پر ترکوں کی تباہی اس کے مفاد پر کوئی اثر ڈال سکتی ہو کیونکہ اس نے ترکوں سے جنگ کر کے دیکھ لیا ہے۔ کہ پین اسلامزم کا خطرہ ایک خیالی خطرہ ہے۔ وہ اگر ترکوں سے ہمدردی رکھتی ہے۔ تو محض اپنی مسلمان رعایا کے جذبات اور احساسات کے خیال سے۔ پس جس قدر بھی وہ ہمدردی کرتی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا شکرگذار ہونا چاہیئے۔ اور ایک دوست کے طور پر اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ایک طرف حکومت برطانیہ پر یہ فرض ہے کہ وہ ہمارے احساسات کا خیال رکھے۔ تو دوسری طرف حکومت برطانیہ پر ان دوسری اقوام کے احساسات کا خیال رکھنا بھی فرض ہے۔ جو جنگ میں اس کے ساتھ شامل ہوئیں۔ اور جن کے سپاہی برطانیہ کے سپاہیوں کے دوش بدوش اسی طرح لڑے۔ جسطرح مسلمان سپاہی بلکہ مسلمانوں سے بھی زیادہ تعداد میں۔ اور اس جنگ کو فاتحانہ رنگ میں ختم کرنے کے لیئے انہوں نے اپنے اموال اس سے بہت زیادہ خرچ کئے۔ جس قدر کہ مسلمانوں نے۔ پس مسلمانوں کے احساسات کا خیال رکھنے کے ساتھ حکومت برطانیہ اگر ضروری سمجھتی ہے۔ کہ ان اقوام کے خیالات کا خیال بھی رکھے۔ تو ہمیں اس کی مجبوری کو سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کی مشکلات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے ؛

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ اس جنگ کے ابتدائی ایام میں امریکہ کے شامل ہونے سے پہلے اتحادی دول میں بعض معاہدات ہوئے تھے۔ جن کے پورا کرنے پر بعض طاقتیں برطانیہ پر زور دیتی ہیں۔ اور اس شکل کی وجہ سے بھی برطانیہ اس طرح سے مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ جسطرح کہ مسلمان اس سے امید رکھتے ہیں۔ پس اس کام کے شروع کرتے وقت اس امر کا فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ

نہ تو کوئی ایسا ایجی ٹیشن پھیلایا جاوے اور نہ دوسروں کو پھیلانے کی اجازت دیجاوے جس میں لوگوں کے ذہن میں یہ بات آوے کہ برطانیہ مسلمانوں کے ساتھ مناسب برتاؤ نہیں کرتا اور ان کے حقوق کی کافی حفاظت سے غافل ہے۔ کیونکہ غفلت اور لاپرواہی بالکل اور چیز ہیں اور مشکلات اور چیز۔ مسلمانوں کی تمام کوششیں برطانیہ کا ہاتھ مضبوط کرنے میں خرچ ہونی چاہئیں۔ نہ کہ اس کو گھر میں مشکل ڈال دینے میں۔ اس بات کو خاص طور پر یاد رکھنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ بعض خود غرض لوگ ایسے موقعوں سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور التجاء کو دھمکی اور مخلصانہ اصرار کو معاندانہ دباؤ سے بدل دیتے ہیں۔ میرے نزدیک برطانیہ جبکہ پہلے ہی مسلمانوں کے احساسات کی ترجمانی کر رہا ہے تو اس کی اس کوشش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کو صرف اس سے یہ درخواست کرنی چاہیئے۔ کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ زور دے۔ بے شک بعض معاہدات اس کے راستہ میں روک ہیں۔ مگر ہر انصاف پسند برطانوی مدبّر پر یہ بات واضح کردینی چاہیئے۔ کہ ایسے معاہدات جن میں کوئی اخلاقی نقص ہو۔ معاہدات کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ انسان سے غلطی ہوتی ہے۔ مگر اس غلطی پر مصر ہونا انسان کا کام نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کو ایک چیز دینے کا معاہدہ کرتا ہے۔ اور بعد میں اسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کا مال نہیں ہے تو وہ اس معاہدہ پر پابند رہنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اخلاقاً اسے اس معاہدہ کی پابندی کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بے شک برطانیہ نے بعض اقوام سے ترکوں کے بعض علاقوں کے متعلق ایسے معاہدات کیئے ہیں۔ کہ وہ ان حکومتوں کے زیر حفاظت رکھے جاوینگے۔ مگر جبکہ اُن علاقہ جات کے باشندہ خود اس امر کو پسند نہ کرتے ہوں۔ اور جبکہ اس امر کا فیصلہ کردیا گیا ہو۔ کہ کسی ملک کے انتظام میں اس کے باشندوں کی آراء کا بھی ایسے حالات میں کہ کسی قسم کے ظلم کا خطرہ نہ ہو۔ خیال رکھا جاویگا۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان کو دوسری حکومتوں کے سپرد کر دیا جاوے۔ جن کے نیچے رہنا انکو صرف ناپسند ہی ہے۔ بلکہ خطرہ ہے۔

کہ ان کے مذہبی احساسات کو بھی اس طرح صدمہ پہنچے۔ یورپ بے شک تعلیم ظاہری میں بڑھا ہوا ہے۔ مگر سب یورپ انگریزوں کی طرح مذہبی آزادی کے اصول پر قائم نہیں۔ ایسی مثالیں موجود ہیں۔ کہ بعض یوروپین اقوام نے جبراً مذہب میں دخل دیا ہے۔ اور زبردستی عقائد میں تبدیلی کروانی چاہی ہے۔ طرابلس اور حرب بلقان کے واقعات جو خود انگریز نامہ نگاروں نے لکھے ہیں۔ دلالت کرتے ہیں۔ کہ برطانیہ عظمیٰ کو تمام اہل یورپ کو اپنے جیسا مہذب خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ غرض دلائل اور براہین سے برطانیہ عظمیٰ کے اصحاب حل و عقد کو سمجھانا چاہیئے۔ کہ اس بارہ میں مسلمانوں کے خیالات حق پر مبنی ہیں اور انگلستان کی عام رائے کو اصل حالات سے واقف کرنا چاہیئے۔ اور برطانیہ کی قدیم انصاف پسندی کو دیکھتے ہوئے یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ برطانیہ اپنی طاقت کے مطابق مسلمانوں کے احساسات کا خیال رکھنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ اور ایسے امور سے بکلی پرہیز کیا جاوے۔ جن سے عوام میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو یا نامناسب جوش پیدا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں حکام کی توجہ زیادہ تر اندرونی انتظام کی طرف مبذول ہو جاوے گی۔ اور اگر ایسے حالات میں وہ مسلمانوں کے احساسات کی تصویر پورے طور پر ان لوگوں کے سامنے نہ کھینچ سکیں۔ جو اس وقت ترکی حکومت کے مستقبل پر غور کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ تو اس کا الزام خود مسلمانوں پر ہو گا۔ نہ کسی اور پر۔ میرے نزدیک مناسب ہے۔ کہ جہاں اس امر پر زور دیا جاوے۔ کہ برطانیہ مسلمانوں کے خیالات کی پہلے سے زیادہ تائید کرے۔ وہاں عامۃ الناس کو اس امر سے بھی واقف کیا جاوے۔ کہ برطانیہ اب تک بہت کچھ کوشش کر چکا ہے۔ اور کر رہا ہے۔ جیسا کہ حکومت حجاز کی گواہی سے صاف طور پر عیاں ہے۔

دوسرا امر اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ مسلمان حکومت حجاز کا سوال بیچ میں سے بالکل اُٹھا دیں۔ عربوں نے غیر اقوام کی حکومتوں کے ماتحت اپنی زبان اور اپنے تمدن کے متعلق جو کچھ نقصان اُٹھایا ہے۔ وہ مخفی امر نہیں ہے۔ اور ہر ایک شخص جو ان ممالک کے حالات سے آگاہ ہے۔ اس امر سے واقف ہے۔ اور پھر عربوں نے جو کچھ قربانی اس آزادی کے حصول کے لئے کی ہے۔ وہ بھی چھپی ہوئی بات نہیں۔ عرب کی غیرت قومی جوش مار رہی ہے۔ اور اس کی حریت کی رگ پھڑک رہی ہے۔ وہ اب کسی صورت میں اپنی مرضی کے خلاف ترکوں کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ تیرہ سو سال کے بعد اب وہ پھر اپنی چار دیواری کا آپ حاکم بنا ہے۔ اور اپنے حُسن انتظام اور عدل و انصاف سے اس نے اپنے حق کو ثابت کر دیا ہے۔ اس کے متعلق کوئی نئی تجویز نہ تو کامیاب ہو سکتی ہے۔ نہ کوئی معقول پسند انسان اس کو قبول کر سکتا ہے۔ نہ عرب اسے ماننے کے لئے تیار ہے۔ حجاز کا آزاد رہنا ہی اب اسلام کے لئے مفید ہے۔ وہ بہ نسبت ترکی سلطنت کا جزو ہونے کے علیحدہ حکومت کے رنگ میں زیادہ مفید ہے۔ مقامات مقدسہ کا ایک چھوٹی اور نظر طمع سے بچی ہوئی سلطنت میں رہنا۔ بہت بہتر ہے۔ پس اس سوال کو ہمیشہ کے لئے فیصل شدہ خیال کرنا چاہیئے۔

تیسری ضروری بات یہ ہے۔ کہ مناسب مشورہ کے بعد اس غرض کے لئے ایک کونسل مقرر کی جاوے۔ جس کا کام ترکی حکومت کی ہمدردی کو عملی جامہ پہنانا ہو۔ صرف جلسوں اور لیکچروں سے کام نہیں چل سکتا۔ نہ روپیہ جمع کر کے اشتہاروں اور ٹریکٹوں کے شائع کرنے سے۔ نہ انگلستان کی کمیٹی کو روپیہ بھیجنے سے۔ بلکہ ایک باقاعدہ جد و جہد سے جو

دنیا کے تمام ممالک میں اس امر کے لئے انجام دینے کے لئے کی جاوے۔ یہ
زمانہ علمی زمانہ ہے۔ اور لوگ ہر ایک بات کے لئے دلیل طلب کرتے ہیں۔
پس ضروری ہے۔ کہ اپنے مدعا کی تائید کے لئے دلائل جمع کیے جائیں۔ اور
جن لوگوں کے اختیار میں ان امور کا فیصلہ ہے۔ ان کو دلائل کے زور سے
منوایا جائے تلوار کے ساتھ ساڑھے چار سال میں پچھلی جنگ کا خاتمہ ہوا
ہے۔ لیکن تلوار ایک دم میں دشمن کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ دلیل ایک
دم میں کسی کے دل کو نہیں پھیرتی۔ اس کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت
ہے۔ گویہ فرق ضرور ہے۔ کہ ایک تلوار چند محدود آدمیوں کے مقابلہ میں
چلائی جاسکتی ہے۔ لیکن دلیل ایک وقت میں کئی ہزار بلکہ لاکھ آدمی کے
سامنے پیش کی جاسکتی ہے۔ پس اس مشکل کام کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ
انتظام ہونا چاہیئے۔ اور اسی طرح سنجیدگی سے کام کرنا چاہیئے۔ جس طرح کہ دوسری
اقوام کر رہی ہیں۔ بے فائدہ کام دانا کا کام نہیں۔ اور اس کے کرنے سے
اس کا نہ کرنا اچھا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ برطانیہ اگر پورے طور پر مسلمانوں
کے خیالات سے متفق بھی ہو جاوے۔ تب بھی صلح کی کانفرنس میں صرف
برطانیہ ہی کے نمایندہ نہیں بیٹھتے۔ اس میں اور بہت سی طاقتوں کے
نمایندہ بھی شامل ہیں۔ امریکہ اپنے حق اولیت پر مصر ہے۔ فرانس اپنی قربانیوں
کو پیش کر رہا ہے۔ اٹلی اپنی مظلومیت کا مظہر ہے۔ جاپان اور چین خواہ اس
سوال سے بے تعلق ہوں مگر چین کو امریکہ کی ہمدردی حاصل کرنی ضروری ہے۔
اور امریکہ یونان کے قدیم دعوؤں کی تائید میں اپنا سارا زور لگا رہا ہے۔ اور ان
حکومتوں میں یہ بحث نہیں۔ کہ ترکوں کو کس قدر ملک دیا جاوے۔ بلکہ اس سوال پر
بحث ہے۔ کہ ترک اطالین وصایت کے نیچے رہیں۔ یا یونانی کے۔ حتیٰ کہ ترکوں
میں سے ایک جماعت نے اس ڈر سے کہ ہمیں کہیں اٹلی یا یونان کے ماتحت نہ کر دیا
خود یہ تحریک شروع کر دی ہے۔ کہ اگر کسی کے زیر حفاظت ہمیں رکھنا ہی ہے۔

تو انگریزوں کے ماتحت رکھو۔ کہ ہمارا دین اور مذہب تو برباد نہ ہو۔ پس اتنی اقوام کے مقابلہ میں ایک انگریزی آواز کیا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ فرانس شام پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ جبتک اناطولیہ اٹلی کو نہ دلوائے۔ اور امریکہ اپنے معیار انصاف کو ثابت نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ ترکوں کو کسی نہ کسی یوروپین حکومت کی وصایت میں نہ رکھے۔ اگر بلغاریہ کو سمندر تک راستہ دینا ضروری ہے۔ تو یونان کو اس کی حق تلفی کے بدلہ میں کوئی نہ کوئی اور علاقہ ملنا واجبات میں سے ہے۔ پس یک انار و صد بیمار کا معاملہ ہے۔ برطانیہ کرے تو کیا کرے۔ ہم اسے کیا مشورہ دے سکتے ہیں۔ یہی کہ وہ اس امر پر زور دے۔ کہ ترکوں سے بھی انسانوں کا سا سلوک کیا جاوے۔ یہ وہ پہلے سے کر رہا ہے۔ ترکوں کے علاقہ میں فساد ہونے پر اگر فرانسیسی اخبارات اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے سب الزام عربوں پر لگاتے ہیں۔ تو برطانیہ کے اخبارات ہی ہیں۔ جو عربوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ برطانیہ کو یہ مشورہ نہ دیا جا سکتا ہے۔ نہ اس مشورہ پر عمل ممکن ہے۔ کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق تمام دول کو جنگ کی دھمکی دے۔ اس کے نقطۂ خیال سے یہ بات حد درجہ کی بے شرمی میں داخل ہوگی۔ اگر وہ ان اقوام سے جو ابھی ایک سال نہیں گذرا۔ کہ اس کے دوش بدوش اس کے اور تہذیب و تمدن کے دشمنوں سے جنگ کر رہی تھیں۔ ایک ایسی حکومت کے بارہ جو اس کی دشمن تھی۔ جنگ شروع کر دے۔ اور پھر کونسی عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ کہ برطانیہ باوجود اپنی اس قدر طاقت و عظمت کے اس قدر طاقتوں کے مجموعہ سے جنگ کر سکتی ہے۔ یہ زمانہ حقایق کا ہے۔ تخیلات سے اسوقت کام نہیں چل سکتا ؎

پس اگر اس امر میں کامیاب ہونیکی کوئی امید ہو سکتی ہے۔ تو صرف اس طرح کہ ان دیگر اقوام کی رائے بھی بدل جاوے۔ جو اسوقت صلح کی کانفرنس میں حصہ لے رہی ہیں۔ خصوصاً امریکہ اور فرانس کی اگر ان دو ملکوں کی رائے بدل دی جائے تو پھر کوئی مشکل نہیں رہتی ؎

مگر ایسی کوئی کوشش کرنے سے پہلے یہ سوال حل کرنا چاہیئے۔ کہ ان اقوام کو ترکی سے اسقدر نفرت کیوں ہے۔ کیونکہ جو خیالات ان کے ان فیصلوں کے محرک ہیں۔ انہی کے دُور کرنے سے کامیابی ہو سکتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جرمن قوم جو جنگ کی اصل بانی ہے۔ اور جس نے جنگ کے دوران میں انسانیت اور آدمیت کے تمام اصول کو پامال کر دیا تھا۔ وہ صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو وہ بھی فرانس سے لیا ہوا تھا چھوڑ کر اور کسی قدر علاقہ پولینڈ کا آزاد کر کے پھر اسی طرح اپنے ملک پر قابض ہے۔ آسٹریا جو اس جنگ کا بانی تھا۔ اپنے ملک میں اسی طرح حکومت کر رہا ہے اور صرف ان غیر علاقوں کو جو اس سے خود جدا ہونا چاہتے تھے۔ جدا ہونیکی اجازت دیگئی ہے۔ بلغاریہ باوجود انتہائی درجہ کے مظالم اور غداری اور معاہدہ شکنی کے اپنی ملک پر قابض ہی نہیں۔ بلکہ اسے سمندر کی طرف راستہ دینے کی تجاویز ہو رہی ہیں۔ رومانیہ نے تین دفعہ ادھر سے اُدھر پہلو بدلا۔ مگر اور زیادہ علاقہ کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ترک جس نے خود یوروپین طاقتوں کے اقوال کے مطابق مجبور ہو کر جرمن دباؤ کے نیچے جنگ کی تھی۔ اور جس نے جنگ کے دوران میں نہایت شرافت نہایت دلیری اور بہادری سے کام لیا تھا اور بحیثیت قوم کسی قسم کا ظلم نہیں کیا اسکو ناقابل حکومت قرار دیا جا کر نہ صرف یہ کہ اسے اسکے دوسرے مقبوضات سے محروم رکھا جاتا ہے۔ بلکہ جس ملک میں .... وہ بستا ہے۔ اور دوسری آبادی اسقدر کم ہے۔ کہ نہ ہونیکے برابر ہے۔ اس میں بھی اسکی حکومت کو مٹانیکا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اور کم سے کم اسے کسی دوسرے کے اقتدار کے نیچے رکھنا تو ایک ایسی ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ اسکے بغیر چارہ ہی نہیں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ آرمینیہ کے قتل عام اس کی اصل وجہ ہیں۔ اور مسلمان ان اعتراض کا جواب دینے کی طرف بہت سے متوجہ ہوتا ہے۔ مگر قطع نظر اسکے کہ یہ الزام خود ثبوت طلب ہے۔ کیونکہ ہسپانیہ میں بعض مسیحیوں کا خود انکی مساجد میں جا کر انکے دین کی ہتک کرنا اور بعض دفعہ کسی جوشیلے کے ہاتھ سے مارا جانا اور پھر اس کی قوم کا اسے مسلمانوں کا ظلم قرار دیکر یورپ میں شور مچانا۔ اور اسی قسم کے اور واقعات موجود ہیں۔ جو ایسے الزامات

کو غور و تحقیق کے بعد قبول کرنیکا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن انکو صحیح تسلیم کرکے بھی دیکھا جاتا ہے کہ اسی قسم کے مظالم اور حکومتوں میں بھی ہیں۔ روس میں جو کچھ یہود سے ہو رہا ہے۔ وہ آرمینیا کے قتل عام سے کم نہیں۔ بلکہ بہت زیادہ ہی۔ اب بولشوکس جو کچھ کر رہے ہیں۔ سب دنیا اس پر انگشت بدندان ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی انہوں نے قتل کر دیئے ہیں۔ اور ایسے مظالم سے کام لیتے ہیں۔ کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت صحیح تسلیم کرنے سے رکتی ہے۔ مگر باوجود اس کے واقعات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وہی حکومتیں جو ترکی سلطنت کے قیام کے خلاف ہیں۔ روس کے ملک میں دخل دینے سے نہ صرف یہ کہ خود علیحدہ ہیں۔ بلکہ برطانیہ جو اس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اسکے راستہ میں بھی روک ڈالتی ہیں۔ اور عملی مدد تو الگ رہی روس کا بائیکاٹ تک کرنیکے لئے تیار نہیں۔ امریکہ جو اسوقت لوائے حریت کا حامل ہے اور سب سے زیادہ انصاف و عدل کے دعوےٰ کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے پریذیڈنٹ ولسن کہتا ہے۔ کہ اگر اس جنگ کے بعد ٹرکی حکومت قائم رہے۔ تو گویا اس جنگ کی غرض ہی فوت ہو گئی۔ خود اس کے ملک میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مذہب کے وسیع اختلافات کی وجہ سے نہیں۔ کالے اور گورے رنگ کے فرق سے ایسے ایسے مظالم ہو جاتے ہیں۔ کہ حیرت آتی ہے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ودکسبرگ میں لائڈ کلے نامی ایک انیس سالہ حبشی لڑکا جو کسی الزام کے ماتحت حوالات میں تھا۔ اور جو بعد کی تحقیق سے بالکل بے گناہ ثابت ہوا۔ اسے عام آبادی نے قید خانہ توڑ کر نکال لیا۔ اور پندرہ سو شہری اسے عذاب دینے کے لئے جمع ہوئے۔ ایک درخت پر اسے لٹکا دیا گیا۔ اور بالکل ننگا کر دیا گیا۔ بعضوں نے مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جاوے۔ مگر دوسروں نے کہا کہ نہیں اسے آہستہ آہستہ مرنے دو۔ اور پہلے مٹی کا تیل اس کے بدن کو ملا گیا۔ پھر لکڑیوں کا انبار لگا کر پٹرول اور پڑوالکر اسے جلایا گیا۔ اسکے چیخنے اور چلانے اور آہ و فریاد کرنیکو ایک پُر لطف تماشا سمجھکر عورت و مرد نے ڈیڑھ گھنٹہ تک بہ نظارہ دیکھا اور جب اس کی لاش اُتاری گئی۔ تو وہ رسیاں جس سے وہ بندھا ہوا تھا۔ اُنکے ٹکڑے بطور یادگار کے لوگوں نے اپنے پاس رکھے۔ اور اس درخت کو جس سے

وہ لٹکایا گیا تھا۔ ایک مقدس یادگار قرار دیا گیا۔ پھر ابھی پچھلے ماہ میں ہی تسکیگو میں حبشیوں پر جو کچھ ظلم کیئے گئے ہیں۔ اخبارات میں شائع ہوتے ہی رہے ہیں۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ صرف یہ کہ ایک حبشی لڑکا جھیل کے کنارہ پر غلطی سے اس حصّہ پر چلا گیا تھا۔ جو سفید رنگ کی آبادی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس پر سفید آبادی نے اس پر پتھروں کا مینہ برسایا اور اس واقعہ سے وہ خطرناک آگ بھڑک اُٹھی۔ جس نے پچھلے دنوں تمام دنیا کو حیرت میں ڈالے رکھا تھا۔ انہی واقعات پر پریذیڈنٹ ولسن کو ایک دفعہ کہنا پڑا تھا۔ کہ ”جب کہ ہم اپنی ڈیماکریسی کو یہ ثابت کرکے کہ وہ کمزوروں کے لئے باعثِ حفاظت نہیں ہے۔ ذلیل کر رہے ہیں۔ تو دوسروں کے سامنے ڈیماکریسی کیونکر پیش کر سکتے ہیں۔“

پس ایسے مظالم سے تو سوائے برطانیہ کے غالباً کوئی ملک بھی پاک نہیں ہے۔ خود برطانیہ کے ان حصّوں میں جن میں برطانیہ اندرونی نظم و نسق میں دخل نہیں رکھتا۔ ایسے واقعات ہو جاتے ہیں۔ جو قابلِ افسوس ہوتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ترکوں کو ان واقعات کی وجہ سے امریکہ یا دیگر حکومتیں قابلِ نفرت خیال کریں ۔

اگر کہا جائے کہ لالچ سے ایسا کیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ امریکہ کو کوئی لالچ نہیں۔ کم سے کم امریکہ کوئی حصّہ اپنے لینے کے لئے تیار نہیں ۔

پس معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نفرت کا باعث کچھ اور ہے۔ اور وہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ترک مسلمان کہلاتے ہیں؟ میرا مطلب اس سے یہ نہیں۔ کہ ترک چونکہ مسلمان ہیں۔ اور امریکہ یا فرانس یا دیگر طاقتیں عیسائی ہیں۔ اس لئے ترکوں سے نفرت کرتی ہیں۔ کیونکہ مسیحی تو انگریز بھی ہیں۔ مگر وہ

ترکوں سے اس قسم کی نفرت نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اور ان کے احساسات کا خیال رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ امریکہ اور فرانس مسیحی ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ مغربی ممالک میں عموماً تعلیم یافتہ لوگ مسیحیت سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے۔ اور یا تو لوگ دہریت کی طرف مائل ہیں۔ یا بعض عقلی مذاہب کی اتباع کرتے ہیں۔ پس بلحاظ مذہب کے وہ مسیحیت سے بھی علیحدہ ہیں اور اسلام سے خاص تعصب کی ان کے لئے کوئی وجہ نہیں۔ پس یہ نفرت اس لئے نہیں کہ وہ مسیحی ہیں۔ اور ترک مسلمان مذہب کی حقیقت ان لوگوں کے دلوں میں اس قدر نہیں ہے۔ کہ وہ اس کے لئے ایسا شدید تعصب رکھیں۔

میرا مطلب اس بات کے کہنے سے کہ ترکوں سے اس لئے نفرت کی جاتی ہے۔ کہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ یہ ہے۔ کہ ان ممالک کے لوگوں کو اسلام سے اس قدر بعد ہے۔ اور آباد اجداد سے ان کے دل میں اسلام کی نسبت اس قدر بدظنیاں بٹھائی گئی ہیں۔ کہ وہ اسلام کو ایک عام مذہب کے طور پر خیال نہیں کرتے بلکہ ایک ایسی تعلیم خیال کرتے ہیں۔ جو انسان کو انسانیت سے نکال کر جانور اور وہ بھی وحشی جانور بنا دیتی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام ایسی وحشیانہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ اسکی موجودگی میں رحم اور انصاف دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ طبعاً اپنے مذہب یا اپنے خیال کے سوا ہر ایک مذہب اور عقیدہ کو غلط اور جھوٹا سمجھتے ہیں جیسا کہ ہر مذہب کے لوگوں کا حال ہے مگر اسلام کے سوا دوسرے مذاہب سے وہ ڈرتے نہیں انسے نفرت نہیں کرتے۔ وہ ان کے ماننے والوں کو غلطی خوردہ سمجھتے ہیں۔ مگر قابل نفرت نہیں سمجھتے۔ مگر اسلام سے وہ خوف کھاتے ہیں۔ اس کی ترقی کو تہذیب و شائستگی کے راستہ میں روک خیال کرتے ہی نہیں بلکہ خود انسانیت کے لئے اسے مہلک یقین کرتے ہیں۔ اس لئے وہ جہاں دوسرے مذاہب کے پیروؤں پر رحم کرتے ہیں۔ اسلامی حکومتوں کو ناقابل علاج اور متعدی مریضوں کیطرح سوسائٹی اور تہذیب کے لئے مہلک خیال کرکے اس کے مٹ جانے یا مٹا دینے کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ کیا اس شخص یا قوم کا جو دوسروں کے لئے بھی ہلاکت کا موجب ہو۔ خود مٹ جانا مناسب نہیں؟ ضرور ہے۔ پس مغربی ممالک کے باشندہ فرض منصبی کے طور پر بلکہ باقی دنیا پر رحم کرکے پسند کرتے ہیں۔ کہ یہ خطرناک مرض جو اسلامی

حکومت کے نام سے مشہور ہے۔ دنیا سے اٹھ ہی جائے تو بہتر ہے ؛

یہ میرا خیال ہی نہیں۔ بلکہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ کہ اس کے سوا ترکوں سے خاص سلوک کی کوئی وجہ نہیں۔ اور مجھے اس امر کے متعلق خاص علم حاصل ہے۔ کیونکہ میں ایک ایسی جماعت کا امام ہوں۔ جس کا کام ہی تبلیغ اسلام ہے۔ اور جسے اپنے کام کے چلانے کے لئے ہر ایک ملک کے مذہبی حالات معلوم رکھنے پڑتے ہیں۔ اور میں یہ دیکھتا ہوں۔ کہ مغربی ممالک میں سے جتنا کوئی مذہب زیادہ آزادی کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ اسی قدر وہ اسلام کا دشمن بن جاتا ہے۔ کیونکہ آزادی اسے ہمدردی کی طرف مائل کرتی ہے۔ اور اسلام کی تعلیم میں وہ دنیا کی ہمدردی پاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں مسیحیت کی جو حالت ہے۔ وہ پادریوں کے رسالہ پڑھنے سے خوب ظاہر ہو جاتی ہے۔ پانچ فیصدی آدمی بھی نہیں۔ جو ترقی یافتہ ممالک میں فی الواقعہ مسیحی کہلانے کے مستحق ہوں۔ ایک کثیر حصہ مسیحیت سے متنفر ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ دیگر ممالک میں تبلیغ مسیحیت کے لئے کروڑوں روپیہ دیتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ مسیحیت میں داخل ہو جانے سے ان ممالک کے باشندوں کے جسم ظلم سے بچ جاوینگے اور وہ جہالت سے نجات پاجاوینگے۔ نہ اس لئے کہ ان کی روح کو کوئی خاص راحت حاصل ہو جاویگی۔ مگر اسلامی ممالک میں تبلیغ کے کام میں وہ اور بھی جوش سے حصہ لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس ذریعہ سے ایک حصہ مخلوق بہیمیت کا جامہ اتار کر انسانیت کا جامہ پہن لیگا۔ پس یہ کہنا کہ امریکہ یا کوئی اور ملک ترکوں کا دشمن ہے۔ غلط ہے۔ وہ اسلام کا دشمن ہے۔ نہ بوجہ اس مذہب کے تعصب کے جس پر وہ قائم ہے۔ بلکہ بوجہ اس ناواقفیت کے نہیں۔ بلکہ غلط واقفیت کے جو اسے اسلام کے متعلق ہے بیشک دوسرے ممالک میں بھی ظلم ہوتے ہیں۔ بے شک امریکہ کا مہذب سفید رنگ کا آدمی بھی کبھی انسانیت کا جامہ اتار دیتا ہے۔ بیشک روس کے باشندہ ظلم و ستم کی انتہائی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ایسے مذاہب کے پابند ہیں۔ جو رحم کی تعلیم دیتے ہیں۔ جو اخلاق کو درست کرتے ہیں۔ مذہبی حیثیت سے خواہ وہ کتنے ہی

گرے ہوئے ہوں۔ مگر اخلاقی اور انسانیت کی تعلیم تو ان میں موجود ہے۔ جو ان کے پیرؤں کی روح کی حفاظت کرتی ہے۔ اور ان کو ہمیشہ اوپر اٹھائے رکھتی ہے۔ پس ان کے جوش اور ان کے مجنونانہ افعال صرف بہیمیت کا ایک منفرد شعلہ ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام (نعوذ باللہ من ذالک) تو اپنے پیروؤں کی طبیعت کو بدل دیتا ہے۔ اور فطرت انسانیت سے فطرت بہیمیت پر قائم کر دیتا ہے۔ اس کے پیرو کوئی نیکی کر ہی کیونکہ سکتے ہیں۔ اور اگر ان سے کوئی نیکی ہوتی ہی ہے۔ تو وہ اسلام کی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ مغربی تمدن سے ملاپ کا نتیجہ..... اس لئے ترکوں کے مظالم اور مغربی ممالک کے بعض مجنونانہ افعال کا مقابلہ ہی کیا ہے۔ ان دونوں کا مقابلہ ایسا ہی غلط ہے۔ جیسا کہ ایک طبیب اور ایک متطبب کا مقابلہ اس بنا پر کہ دونو کے ہاتھوں سے مریض مرتے بھی ہیں۔ اور شفا بھی پاتے ہیں۔ کیونکہ اول الذکر کے ہاتھوں سے مریضوں کا شفا پانا مطابق قاعدہ ہے۔ گو کبھی یہ طور استثنا موت بھی واقع ہو جاوے۔ اور مؤخرالذکر کے ہاتھوں سے مریضوں کا مرجانا ایک قاعدہ ہے۔ گو کبھی استثنائی طور پر شفا بھی ہو جاوے۔ اور اگر کوئی ایسی مثالیں مل سکیں۔ کہ مسلمانوں نے ظلم نہ کیا ہو۔ تو کیا شیر جسے پنجرہ میں رکھا گیا ہو۔ شکار کر سکتا ہے۔ وہ ضرور کسی بیرونی دباؤ کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ ایک شخص کو اسلام کی تعلیم دی جاوے۔ اور پھر وہ آدام خور درندہ نہ بن جاوے۔ اور بنی نوع انسان کے لئے مفز وجود ثابت نہ ہو ؛

یہ وہ خیالات ہیں۔ جو اسلام کی نسبت اور وہ مغربی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہ وہ خیالات ہیں۔ کہ جب تک ان ممالک میں پھیلے رہیں گے۔ اس وقت تک مسلمان کہلانے والوں کو انصاف حاصل نہ ہونے دینگے ؛

خدا تعالےٰ نے تو مسلمانوں کا فرض مقرر کیا تھا۔ کہ وہ اسلام کو چاروں کونوں میں پھیلائیں۔ اور اس کے نور سے اندھوں کو بینائی بخشیں۔ مگر مسلمانوں نے

سستی اختیار کی پس جب مسلمانوں نے اسلام کی قدر نہ کی۔ اور اسے ترک کردیا۔ تو خدا نے بھی ان کو ترک کردیا۔ خدا تعالےٰ ظالم نہیں۔ اس نے مسلمانوں کو صرف اسی لئے چنا تھا۔ کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔ جب تک مسلمانوں نے اس حکم کو قبول اور اس پر عمل کیا۔ اس نے ان کو ترقی پر ترقی دی۔ اور اسی وقت ان کو عذاب میں مبتلا کیا۔ جب انہوں نے اپنے نفسوں کو بدل دیا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم ۔ اللہ تعالےٰ کسی قوم پر جو نعمتیں کرتا ہے۔ ان کو اس وقت تک واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے اندر تغیر پیدا کرکے نیکی کے راستہ کو چھوڑ نہ دے۔ مگر کسی وقت اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ تو اب مسلمان اپنی غلطی سے تائب ہوکر خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کریں۔ اور خود اسلام کو سمجھیں اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں۔ دوسروں کو آگاہ کریں۔ تاکہ وہ نکبت و ادبار جو اس وقت مسلمانوں پر آرہا ہے۔ وہ دور ہو۔ اور وہ پھر اپنے دولھا کے محبوب بنیں۔ اگر مذہب کی خاطر انہوں نے تبلیغ نہیں کی۔ اگر خدا کے حکم کے ماتحت انہوں نے اس بینظیر تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔ تو اب اپنی حیات کے قیام کے لئے ہی کچھ کوشش کریں۔ کیونکہ ان کی زندگی اور اسلام کی تبلیغ اب لازم و ملزوم ہوگئے ہیں ◆

اس مضمون پر مجھے خود کچھ زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک مشہور ہندوستانی کی جو آریہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک تازہ تحریر سے جو انہوں نے "لیڈر" الہ آباد میں شائع کرائی ہے۔ ذیل میں اقتباس درج کرکے اس امر کی صداقت یا بطالت کا فیصلہ آپ لوگوں پر ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ آریہ صاحب لالہ لاجپت رائے ہیں۔ وہ اپنی ایک طویل چٹھی میں جو "لیڈر" الہ آباد میں شایع ہوئی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"مجھے اپنے سفروں میں اس سے زیادہ کسی امر نے تکلیف نہیں دی۔
جس قدر کہ اس گہری ناواقفیت اور سخت تعصب نے جو
اسلام اور اسلامی ممالک کے متعلق امریکہ میں پھیل رہا ہے۔
ممالک متحدہ میں آپ کو چین۔ جاپان اور ہندوستان کے
ہمدرد تو ملینگے۔ لیکن میں نے اپنے پانچ سالہ سفروں میں ایک
شخص بھی ایسا نہیں دیکھا۔ جو اسلام اور اسلامی ممالک کے
متعلق کوئی کلمہ خیر منہ سے نکالتا ہو۔ ایک مسلمان دوست سمیت مجھ
ایک مجلس میں جانیکا اتفاق ہوا۔ جس میں ترکی حکومت کے مستقبل
کے متعلق گفتگو تھی۔ ترکوں کی طرف سے ایک ترک ہی وکیل تھا۔ لیکن جو
لوگ اس کو جواب دینے کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ انہوں نے
ایسی ناواقفیت اور کھلی کھلی دشمنی اور تعصب کا ثبوت دیا۔ کہ
میرے لئے صبر کے ساتھ سننا مشکل ہوگیا۔ ترکی وکیل نے بہت بری
طرح وکالت کی۔ اور اپنے خلاف تعصب کا طوفان کھڑا کر لیا۔ ترکوں
کو ایک ڈراؤنی شہرت حاصل ہے۔ اور مسلمان اقوام کے معاملہ کو ایسی
طرح پیش کرنے کے لئے کہ لوگوں کے دل میں انسے ہمدردی پیدا ہو۔ بڑی
لیاقت۔ دانائی اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ آخر میں میرے دوست
نے میرے کہنے پر اس تعصب کے کم کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کی آواز
اکیلی آواز تھی"

مسلمانان ہند پر ان کے مذہب ان کے ہم مذہبوں اور
خود اپنے نفسوں کی طرف سے یہ ذمہ واری عائد ہے۔ کہ وہ چند
لائق آدمی تمام ذو نفوذ ممالک میں بطور اپنے وکلا کے مقرر کریں
یہ ایک ایسی ضرورت ہے۔ جو فوری توجہ چاہتی ہے۔ یہ تمام
ہندوستانیوں کا بلاتفریق مذہب فرض ہے۔ کہ وہ اسلام کی عزت کو

بدنامی کے صدمہ سے بچائیں۔ اور جب کبھی انہیں کسی مفید نتیجہ کی امید ہو۔ مسلمانوں کے لئے بھی اس انصاف اور حق کا مطالبہ کریں۔ جس کا مطالبہ دوسری اقوام کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ خود مسلمانوں پر ایک ایسی ذمہ داری ہے۔ کہ جسے انہیں بغیر تاخیر اور بغیر پہلو تہی کے بجالانا چاہیئے۔ اگر وہ اس ذمہ داری کے بجا لانے سے غفلت کرینگے۔ تو اس کا نقصان خود اٹھائینگے۔"

یہ ایک ہندو کی آواز ہے۔ بلکہ ایک آریہ کی آواز ہے جو مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگاتی ہے۔ اسلام کی حالت ایسی گر گئی ہے۔ کہ اس سے مذہبی مخالفت رکھنے والے لوگ اب اسے ہوشیار کرتے ہیں۔ اور اس کی حالت ان کے رحم کو جذب کرتی ہے۔ بہت سا وقت ضایع ہو چکا ہے۔ اور تھوڑا باقی ہے۔ اگر اب بھی سستی کی گئی تو کسی بہتری کی امید رکھنی فضول ہے۔ جب تک اسلام بہمیت اور دنیا کے لئے ایک مہلک بیماری کے رنگ میں دیکھا گیا۔ اس وقت تک مغربی بلاد سے کسی انصاف کی امید رکھنا ایک فضول امر ہے۔ اور جب تک دوسرے بلاد خصوصًا امریکہ کی رائے انگلستان کے ساتھ نہو۔ اسوقت تک برطانیہ کی آواز کے سنے جانیکا خیال بھی [illegible] ایک وہم ہے۔ برطانیہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ برطانیہ کو کسی مددگار کی ضرورت ہے۔ اور چونکہ یہ کام مسلمانوں کا ہے۔ یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ برطانیہ کو ایسا مددگار تلاش کرکے دیں بلکہ خود برطانیہ کو بھی اسلام سے زیادہ واقف کریں میں کہہ چکا ہوں کہ اسلام کی تبلیغ ایک مذہبی فرض علاوہ ایک سخت ذمہ داری بھی ایک نازک معاہدہ تھا جو خدا اور اسکے رسول کے ساتھ مسلمانوں نے کیا تھا۔ مگر اس کو پورا کرنے کی طرف مسلمانوں نے توجہ نہیں کی۔ اگر پہلے مذہب کے حکم کے ماتحت انہوں نے اس کام سے غفلت برتی ہے۔ تو اب اپنی جان بچانے کے لئے عزت کی زندگی کے بسر کرنے کے لئے ان کو اس کام کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اور سب ذرایع عارضی ہیں۔ مگر یہ ذریعہ کامیابی مستقل ہے۔ جب کوئی شخص بیماریوں کا گھر بن جاتا ہے۔ تو طبیب سمجھ لیتا ہے۔ کہ یہ سب کسی خاص سبب سے پیدا ہوئی ہیں اور وہ بجائے الگ الگ بیماریوں کا علاج کرنے کے اس جڑ کا علاج کرتا

ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی دنیاوی مصائب کا اصل سبب ان ممالک کا اسلام کے متعلق غلط واقفیت رکھنا ہے۔ جن کو اس وقت غلبہ اور اقتدار حاصل ہے پس فرداً فرداً ان مصائب کا علاج فضول ہے۔ جڑ کا علاج کرو۔ اور مرض خود دور ہو جاویگی۔ بیشک یہ بات درست ہے۔ کہ ملکوں کے مسلمان کرنے کے لئے صدیاں چاہئیں۔ لیکن اس تعصب کو دور کرنے کے لئے جو ان ممالک میں پیدا ہے۔ صدیوں کی ضرورت نہیں۔ ایک معقول تعداد اسلام سے واقف کار آدمیوں کی اگر امریکہ اور فرانس کی طرف فوراً نکل جاوے۔ تو چند ماہ میں بہت کچھ جہالت اور تعصب دور کرسکتی۔ ہم نے انگلستان میں اس کا تجربہ کر لیا ہے۔ اور وہ تجربہ کامیاب ہوا ہے۔ دوسو کے قریب تو اس وقت وہاں کے باشندہ مسلمان ہوچکے ہیں۔ مگر ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام سے واقف ہوکر اس سے تعصب چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ...... پس جلدی کرو۔ اور اس تجربہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ میرا ارادہ جلدہی امریکہ میں بھی ایک مشن کے قائم کرنے کا تھا۔ مگر امریکہ سے اس غیر مذہب والے کی آواز نے مجھے اور بھی جلد اس کام کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مگر جس کام کو آپ لوگ چاہتے ہیں۔ اس کے لئے اور بھی زیادہ جلدی اور زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اگر کسی کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔ تو اسیطرح کہ چند آدمی اسلام کے واقف فرانس میں رکھے جاویں جو علاوہ اخباروں اور رسالوں کے ذریعے اسلام کی خوبیوں سے لوگوں کو واقف کرنے کے مختلف بلاد کے قائمقاموں سے بھی ملیں اور ان کو بھی بتائیں۔ کہ اسلام تہذیب و شائستگی کا قائم کرنے والا ایک ہی مذہب ہے۔ نہ کہ اس کا مٹانے والا اسیطرح کچھ لوگ امریکہ جاویں۔ اور وہاں اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ اسلام سے وہاں کے لوگوں کو

واقف کرنے کے علاوہ تمام ملک کے وسیع دورے کریں۔ اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک وہاں کے باشندوں کو اسلام کی تعلیم سے آگاہ کردیں۔ گو وہ فوراً اس کو قبول نہیں کرسکتے۔ لیکن ہمیں کوئی شک نہیں۔ کہ وہ بہت جلد اسلام کی دشمنی سے دستبردار ہوجاویں گے *

اب یہ سوال رہ جاتا ہے۔ کہ ایسے آدمی کہاں سے آویں۔ سو اس کا جواب میرے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ حق چھپایا نہیں جاسکتا۔ اس وقت دنیا کی تباہی کو دیکھکر اور اسلام کی موت کو مشاہدہ کرکے خداتعالےٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے مطابق اپنا ایک مرسل بھیجا ہے۔ جس نے باوجود ناواقفوں کی مخالفت اور دشمنی کے ایک ایسی جماعت پیدا کردی ہے۔ جو اسلام کے لئے فدا ہے۔ اور اس کے انگریزی خوان اور عربی خوان افراد دونوں اسلام کے اصول سے نہ صرف واقف ہیں۔ بلکہ اس پر عملی طور پر کاربند بھی ہیں۔ اور اسلام کی خدمت میں اپنی جانیں دینے سے بھی نہیں ڈرتے۔ وہ تعداد میں ابھی بہت تھوڑے ہیں۔ اور غریب ہیں۔ مگر اب بھی مختلف بلاد میں ان کی طرف سے اسلام کی تبلیغ کے لئے آدمی مقرر ہیں۔ اور ان کے سامنے مسیحی مشنری ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں ٹھہرتے۔ اور خود ان کے دشمن اس بات کو قبول کرتے ہیں۔ کہ مسیحی مشنریوں کے بھگانے کے لئے وہ ایک حربہ ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ انہوں نے اسلام کو اس کی اصل شکل میں دیکھا۔ اور سمجھا ہے۔ انگلستان میں اس وقت اس جماعت کی طرف سے چار آدمی موجود ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ بہت جلد وہاں پچاس تک آدمی بھجدئے جاویں۔ جب راستہ کی رکاوٹیں دور ہوں۔ یہ لوگ روانہ ہونے شروع ہوجاوینگے۔ غرض اس جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کام کرسکتے ہیں اور جو اسلام سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے ہر ایک جگہ جا پہنچے

لئے تیار ہیں - اور میں ایسے آدمیونکی ایک معقول تعداد اِس کام کے لئے مہیا کرسکتا ہوں اگر آپ لوگ سنجیدگی سے اِس کام پر آمادہ ہوں تو لندن کے چاروں مشنریوں سے کم سے کم تین فوراً میں امریکہ کے لئے فارغ کرسکتا ہوں - یہ لوگ فوراً امریکہ روانہ ہوجائیں اور اسلام سے وہاں کے لوگوں کو واقف کریں اور ساتھ اس امر کی طرف بھی توجہ دلائیں کہ ترکوں سے جو سلوک ہورہا ہے وہ درست نہیں - اور اسیطرح میں اور آدمی بھی دے سکتا ہوں -

اسمیں کوئی شک نہیں کہ اسلام اپنی اصلی شان میں نظر نہیں آسکتا جبتک وہ اُسطرح لوگوں کے سامنے پیش نکیا جائے جسطرح اِس زمانہ کے مصلح نے اُسے پیش کیا ہے - اور اُسوقت تک اسکی ہیبت لوگوں کے دلوں میں نہیں بیٹھ سکتی جبتک اسکے زندہ ہونے کا ثبوت زندہ نشانوں سے نہ دیا جائے - پس یہ لوگ اپنے عقائد کو نہیں چھپا سکتے مگر آپ لوگ اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی بقاء کے لئے اگر اسبات کو برداشت کرنیکے لئے تیار ہوں تو مجھے اِس کام کے اہل لوگ مہیا کردینے میں کوئی عذر نہیں - اِن لوگوں میں سے کچھ امریکہ میں کام کریں اور کچھ فرانس میں - اور اُسوقت تک یہ سلسلہ جاری رہے جبتک ترکوں سے معاہدہ طے ہو -

میرے نزدیک اِن تمام مشکلات کا حل صرف یہی ہے اور اگر اس دروازہ سے داخل ہوکر کامیابی حاصل نہ کرنی چاہی تو کامیابی کی امید رکھنی فضول ہی اور سب جلسے اور رزولیوشن اور ڈیپوٹیشن صرف کھلونے ہیں جنسے بچے تو خوش ہوسکتے ہیں مگر صاحب تجربہ اور صاحب عقل کچھ امید نہیں رکھ سکتے - اگر آپ لوگوں کی سمجھ میں یہ نصائح آئیں تو آپ لوگ میرے قائم مقاموں سے اسکے متعلق گفتگو کرسکتے ہیں ورنہ خدا تعالےٰ کی طرفسے اور اُسکے ارشاد کے ماتحت ہماری طرفسے تو دیر سے حجت پوری ہوچکی ہی - اب لالہ لاجپت صاحب کی قلم کے ذریعہ غیر مذہب والوں کی طرفسے بھی آپ پر حجت قائم ہوگئی ہے - وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

خاکسار مرزا محمود احمد از قادیان ۱۸ - ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء

از دفتر ریویو آف ریلیجنز - قادیان دارالامان

مکرم بندہ - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ -

میرا خیال ہے کہ آپ کی انجمن کے تمام ممبروں کو اب تک حضرت اقدس مسیح علیہ الصلوٰۃ و السلام کے اس ارشاد کی اطلاع نہیں جو ان الفاظ میں ہے کہ " اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کیلئے ایک ماتم ہو گا " وغیرہ وغیرہ - چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر ایک ارشاد کی تعمیل تمام احمدیوں کا پہلا فرض ہے - مجھے یقین ہے آپ خود اسے تمام ممبروں کو سنائیں اور حضرت اقدس ؑ کے ارشاد کے مطابق خود بھی رسالہ کی اشاعت میں پورا حصہ لیں گے اور دوسرے احمدی احباب کو بھی جو آپکے قریب ہوں اور اب تک رسالہ کے خریدار نہیں ہوئے - اس رسالہ کی اطلاع دیکر اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لینگے -

اُردو رسالہ کی قیمت عہ سالانہ اور انگریزی کی صہ سالانہ ہے جو رسالہ کے اجراء کے وقت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے - یا پہلا پرچہ قیمت مذکور میں وی پی بھیجا جا سکتا ہے ؛

نوٹ :- اگر کسی بھائی کو رسالہ کی پوری قیمت دینے کی طاقت نہ ہو (اگرچہ عہ سالانہ کوئی بڑی رقم نہیں) تو ایک دوسرے سے ملکر ایک ایک رسالہ خریدیں مگر کسی بھائی کو اس کار خیر سے علیحدہ نہیں رہنا چاہیئے ؛

آپکے جواب کا منتظر ہیڈ کلرک میگزین

اطلاع

ہر قسم کی خط و کتابت بنام مینیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور ہونی چاہیئے - اور خط میں اپنا پورا پتہ خوشخط تحریر فرما دیں ؛

مینیجر میگزین

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۹۱

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ محمد نصیب صاحب پرنٹر و پبلشر چھپکر صدر انجمن احمدیہ کیلئے شائع ہوا)